

غیر مقلدین کو
دعوتِ ایصاف

جلد چہارم

محمد نعیم اللہ خاں قادری

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز

کامونگی

میز قلدین کو درت انصاف

مرتبہ : محمد نعیم اللہ خاں قادری
بی ایس سی، بی ایڈ
ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ

ناشر: فیضان المدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کامونگی

نام کتاب _____ غیر مقلدین کو دعوت انصاف

مرتبہ _____ محمد نعیم اللہ خاں قادری

لی ایس سی۔ لی سی ایڈ
ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

ناشر _____ فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز کا موٹے

صفحات _____ 1136

بار اول _____ جنوری ۲۰۰۲ء

ہدیہ _____  پے

_____ ملنے کے پتے : _____

✽ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 7247350 72250885

✽ ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی 021-2630411 2210212

✽ شبیر برادرز لاہور 7246006 ✽ مکتبہ جمال کرم لاہور 7324948

✽ فرید بک سٹال لاہور 7224899 ✽ رضا دارائی لاہور ✽ پروگریسو بکس لاہور

✽ مسلم کتابوی لاہور ✽ مکتبہ نبویہ لاہور ✽ سنی کتب خانہ لاہور

✽ مکتبہ قادریہ گورنوالہ 237699 ✽ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گورنوالہ 217986

✽ مکتبہ مہرید رضویہ ڈسکہ ✽ غوثیہ کتب خانہ گورنوالہ

فہرست کتب

(۱) شرک و توحید (تالیف: علامہ مفتی شاہ مظہر اللہ صاحب علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۵ تا صفحہ ۲۰

(۲) تہذیب التوحید (تالیف: مولانا سید عبدالرحمن لکھنوی علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۲۱ تا صفحہ ۵۳

(۳) الشاہد (تالیف: علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ العالی)

صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۱۳۹

(۴) مسئلہ حاضر و ناظر (تالیف: علامہ عطاء محمد چشتی ہندیا لوی علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۱۵۱ تا صفحہ ۲۰۱

(۵) شہنشاہ کی آمد (تالیف: علامہ محمد رمضان محقق نوری صاحب علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۱۲

(۶) چند اہم سوالوں کے جوابات (تالیف: محمد خدا بخش اظہر صاحب)

صفحہ ۲۱۳ تا صفحہ ۲۲۲

(۷) اصلاح تقویۃ الایمان (تالیف: علامہ شاہ صوفی عزیز احمد صاحب رضوی)

صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۳۹۲

(۸) تعارف تقویۃ الایمان (تصنیف: علامہ مفتی محمد امین صاحب فیصل آباد)

صفحہ ۳۹۳ تا صفحہ ۴۶۵

(۹) حجب العوارض من مخدوم بہار (تالیف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۳۶۷ تا صفحہ ۳۸۹

(۱۰) وہابیت کی تصویر عریانی (تالیف: مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں)

صفحہ ۳۹۱ تا صفحہ ۵۱۶

(۱۱) اظہار الحق الجلی (از قلم: مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ)

صفحہ ۵۱۷ تا صفحہ ۵۸۶

(۱۲) غیر مقلدوں کے فریب

(تالیف: علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب)

صفحہ ۵۸۷ تا صفحہ ۶۶۶

(۱۳) ازالہ فریب بجواب تقلید شخصی کے آسیب

(تالیف: مفتی محمد اختر حسین قادری صاحب)

صفحہ ۶۶۷ تا صفحہ ۹۱۳

(۱۴) ہدایۃ الطریق فی بیان التقليد والتحقیق

(از علامہ سید محمد یدار علی شاہ صاحب الوری)

صفحہ ۹۱۵ تا صفحہ ۱۱۳۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شک و توحید

از حضرت مفتی اعظم ہند
علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَاصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

شُرک و توحید

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ وَهَدَانَا بِهِ إِلَى عَمَّاكَدِ الْإِيمَانِ
وَإِظْهَرَهُ هَذَا الدِّينَ الْقَيُّومَ عَلَى سَائِرِ الْأَدْيَانِ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ
اِسْتَمَانَ اكْمِلَانِ فِي كُلِّ حِينٍ وَإِنْ عَلَى سَيِّدِ الْإِنْسَانِ
وَالْحَيَّانِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ - آمَنَّا بِكَ
نَاقُولُ وَبِإِلَهِهِ التَّوْفِيقِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ -

میں نے اپنے بیان کا زینب عنوان کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
اس لئے رکھا ہے کہ عوام سامعین کو کلمہ طیبہ تو صحت لفظی کے ساتھ یاد ہو گیا ہے لیکن اس کے
باوجود بعض عوام کو یہ کہتے سنا کہ - اہل اللہ کے مزارات پر سفر کر کے جانا - قبر کو بوسہ دینا
- اس پر چادر چڑھانا - اس کے غلام کو پکڑ کر دعا کرنی - اللہ کی جناب میں کسی کو
سناٹا نہ بھینا - رخصت ہوتے وقت اٹھ پڑھ چلنا - یہ سب باتیں شرک ہیں اس کے
غلافہ اور بھی بکثرت ایسے اقوال ہیں جن کے بیان کے لئے زبان یاری نہیں دیتی مثلاً
"سوا اللہ" اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے - بلکہ جو افعال رذیلہ ایک انسان کر سکتا ہے
وہ افعال اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے - اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی

شان کے آگے چار سے بھی زیادہ دلیل ہے۔ یہ اقوال فاسدہ کا سدودہ ہیں جن کا رد قطع نظر اس کے کہ نصوص قطعیہ کر رہی ہیں خود کلمہ طیبہ بھی اس کا رد کر رہا ہے۔ اگر کلمہ طیبہ کے صحیح طور پر معنی معلوم ہوں تو ہرگز کسی مسلمان سے ایسے اقوال داہیہ صادر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے معنی عرض کروں، جب اس کے معنی ذہن نشین ہو جائینگے تو پھر قول یا فعل پر احکام شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ لگا سکیں گے۔

کلمہ طیبہ کے پہلے جزو **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** میں توحید کا کامل طور پر بیان فرما دیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے“ یعنی عبادت کی مستحق صرف وہی ایک ذات ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور اسم مبارک اللہ اس ذات اقدس کا نام ہے جسکی ذات قدیم ہے اور جواز کی ابتدائی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والا۔ یونہی اس کی صفات کا تکہ بھی قدیم ہیں اور غیر محدود لیکن ہر صفت ناقصہ سے پاک و منزہ ہے کسی صفت ناقصہ کی اس کی قدرت کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات کاملہ میں کسی کا محتاج نہیں، ہر شے کا خالق اور ہر شے اس کی محتاج، کلمہ طیبہ کے اس معنی کو دل سے یقین کے ساتھ جاننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام توحید ہے اور اس کے خلاف اعتقاد کرنے کا نام شرک ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دوسرے کی ذات یا اس کی کسی صفت کو قدیم جانے ”مشرک“ یا کسی دوسرے کو مستحق عبادت جانے ”مشرک“ یا کسی دوسرے کو کسی شے کا حقیقہ خالق اور پیدا کر نیوالا جانے ”مشرک“ اس ہی کو حضرت شاہ عہد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحشیر فرماتے ہیں:

”بالجملہ شرک شہ قسم است در وجود، در خالقیت و در عبادت“

۱۔ اس قسم کے کلمات صراطِ مستقیم (مولوی سید احمد بریلوی) تفسیرۃ الایمان (مولوی اسماعیل دہلوی) حفظ الایمان (مولوی شرف علی تھانی) براہین قاطعہ (مولوی علی احمد ہارنپوری) وغیرہ کتب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ مستود

ترجمہ: یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک تین قسم کا ہے۔ (وجود میں یعنی غیر خدا کو واجب الوجود جاننا)۔ دوسرے، خالقیت میں (یعنی غیر خدا کو کسی شے کا حقیقہ پیدا کرنے والا جاننا)۔ تیسرے، عبادت میں (یعنی غیر خدا کی عبادت کرنا جس کو ہندی میں پوجا کہتے ہیں یا اس کے مستحق عبادت جاننا)۔

اب جب آپ نے توحید اور شرک کے معنی سمجھ لئے تو جس پر یہ معنی صادق آئیں گے اس کو تو بے شک ”مشرک“ کہیں گے۔ اس کے سوا کسی بات کو حقیقہ شرک نہیں کہہ سکتے۔ پس جو لوگ اللہ کے عطا کئے ہوئے کمالات اس کے بندوں کے لئے ثابت کرتے ہیں اور ان کمالات کو عطائے الہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں۔ ہاں جو کسی کے کمال کو بے عطائے الہی اس کا ذاتی کمال کہے گا بیشک مشرک ہو جائے گا کہ ذاتی کمالات صرف اس ہی ذات والا صفات کے ساتھ مختص ہیں۔

یہ ہے توحید اور شرک کا مختصر بیان۔ اس کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں گے تو ہرگز مغالطہ میں نہ پڑیں گے۔ جب کسی بات پر شرک کا شبہ ہو تو اس پر غور فرمادیں کہ اس میں غیر خدا کو قدیم اور ذاتی صفات رکھنے والا جاننا یا اس کو معبود جاننا یا اس کو خالق جاننا لازم آیا ہے یا نہیں۔ اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے اور ان میں سے ایک شے بھی لازم نہیں آتی تو اسے ہرگز مشرک نہیں کہہ سکتے۔ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ سے اپنے بندوں کو بھی ہر ایک کی حیثیت کے موافق عطا فرمایا ہے۔ وہ ”حی“ ہے، ہمیں بھی حیات عطا فرمائی ہے۔ وہ ”قادر“ ہے ہمیں بھی قدرت عطا فرمائی ہے۔ وہ ”سمیع و بصیر“ ہے ہمیں بھی سمیٹنے اور دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ ”علیہ“ ہے ہمیں بھی علم عطا فرمایا ہے، وہ ارادہ فرماتا ہے ہمیں بھی ارادے پر قوت عطا فرمائی ہے لیکن علی حسب مراتب، کسی کو کم، کسی کو زائد، چنانچہ کسی کو حیات ہزار سال کی عطا فرمائی اور کسی کو دو چار سیکنڈ کی۔ کسی کو اتنی قدرت کہ پادوسیر کا

بوجھ بھی دو قدم نہ پہنچا سکے اور آصف بن برخیا کو اتنی کہ سینکڑوں من کا تخت جو ساتویں محل

کے اندر بقیس نے محفوظ و قفل کر رکھا ہوا اور اس پر جنات کا پہرہ لگا دیا ہوا اور جس کا عرض و طول اسی اسی گز کا ہو، حضرت آصف بن برخیا، حضرت سلیمان علی بنیاد علیہ السلام کا علم پلاتے ہی پلک بھینکنے میں ان کے حضور حاضر کر دیتے ہیں اور بڑے بڑے قوی جنات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں یہ قصہ تو بڑا طویل ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں خود مولیٰ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ مجھے تو صرف اتنا بتلانا تھا کہ مخلوق میں سے ایک کی قوت کا کیا حال ہے اور دوسرے کی قوت کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جو تحیر میں ڈالتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

قال الذی عنده علوم من الکتاب انا انیک به قبل
ان یرتد الیک طرفک۔ فلما رآه مستقرا عنده قال هذا
من فضل ربی۔ (النمل: ۴۰)

یعنی اس شخص نے عرض کیا جس کو کتاب الہی کا علم حاصل تھا کہ میں آپ کے حضور اس تخت کو پلک بھینکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ پس جب حضرت نے تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے پُروردگار کے فضل سے ہے۔

اسی طرح دیکھنے اور سُنے کا حال ہے کہ ایک شخص پاس کے بیٹھنے والے کو نہ بخوبی دیکھ سکتا ہے نہ اُس کی سُن سکتا ہے اور دوسرا اپنے مقام پر بیٹھا یا کھڑا مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کی سُناتا اور ان کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر حضرت جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ:-

”حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک کھینچے متعین فرمایا ہے جس کا کام یہ ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑے تو وہ فرشتہ کہتا ہے وَأَنْتَ صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ (یعنی تجھ پر بھی صلا رحمت کرے)۔“

روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے، حدیث بڑی ہے۔ میں نے صرف اپنی

جسوں کے ترجمے پر اکتفا کیا جو موضع استدلال تھے۔ یونہی حضرت عزرائیل علیہ السلام کا حال ہے کہ وہ نہ تو مشرقی کو چھوڑیں مغربی کو، سب کی خبر آئے واحد میں لیتے ہیں عنصر جنات ہوا کہ مخلوق کے دو افراد میں دیکھنے اور سُنے میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح علم کے اندر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک شخص ہے جس کو اپنے گھر کی چند چیزوں کا علم ہے اور ایک حضرت آدم علی بنیاد علیہ السلام ہیں کہ عالم میں سے کوئی شے ایسی نہ چھوڑی جس کا ان کو علم نہ دیا گیا ہو۔ نہ غلیات میں سے کسی فرد کو چھوڑا نہ سفلیات میں کسی فرد کو۔ تمام ہی کا تو علم عطا کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة: ۳۱)

ترجمہ:- اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ذاتیہ کی چمکار سے بلاشبہ اپنی بعض مخلوق کو بھی عطا فرمائے اور یقیناً اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس میں کسی کو خواہ کتنی ہی اعلیٰ مرتبہ پر وسعت عطا کی ہو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں اسکی صفات اتنی بھی تو حیثیت نہیں رکھتیں جتنا لاکھوں سمندوں کے مقابلے میں ایک قطرہ حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ اُسکی صفت ذاتی، ازلی، ابدی، اسکی صفت عطائی، حادث اسکی صفت غیر محدود، اسکی صفت خواہ کتنی بھی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی محدود۔ اُسکی صفت پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا، اسکی صفت اس قادر مطلق کے دست قدرت میں مجبور۔ غرض کسی کی اُس صفت کا جو اُس کو حاصل ہے محض اس خیال فائدہ کی بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے انکار کرنا خالص غنا ہے۔ جو صفت مخلوق کی ہے وہ ہرگز ہرگز خالق کی نہیں مخلوق کی صفت تو مخلوق اور حادث ہے، محدود ہے عطائی ہے مولیٰ تعالیٰ کے قابو میں ہے۔ وہ جب چاہے اس سے چھین لے۔ کیا ایسی صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کر دے؟ اگر ایسا کر دے تو کافر ہو جاوے گا۔ ہرگز کلمہ طیبہ پڑھنا فائدہ نہ دے گا کہ تم نے اس کو ایک صفت ناقصہ کے ساتھ متصف کر دیا جو کفر ہے جالانکہ وہ جس طرح اوصافِ رذیلہ سے منزہ ہے اسی طرح اس کا کسی صفت ناقصہ کی طرح متصف

ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اگر کسی میں ایسی صفت ناقصہ بھی نہ ہو اور کوئی اس کو اس صفت کے ساتھ متصف کر دے تو اس کو جھوٹا تو کہہ سکتے ہو لیکن اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی صفت کے ساتھ اس نے اس کو متصف نہیں کیا۔ مثلاً کوئی کسی پتھر کو کہہ دے کہ یہ بے طائے الہی تمام جہان کے ذرے ذرے سے واقف ہے تو اس کے کہنے والے کو آپ جھوٹا کذاب ضرور کہیں گے، لیکن اسے مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ اس کے بے طائے الہی کہنے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس صفت کو عطا کی، عادت، عالم کے اندر محدود، مولیٰ کے تحت قدرت میں کہہ رہا ہے جو اللہ کی صفت نہیں ہے اور مشرک جب ہی ہوتا ہے جب اللہ کی صفت کسی کو ثابت کرے۔

مجھے چاہیے تو یہ تھا کہ میں اپنے بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جلیلہ کا ذکر کرنا لیکن اس خیال سے میں نے اس لیے گریز کیا کہ بعض عوام کے خیال میں یہ جم جھکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مثل ایک انسان تھے اور ہمارے بھائی۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفت عظیمہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تو چونکہ پڑتے ہیں اور پھر اس پر دلائل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، نوراً شرک کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ اگر یہ غدر نہ ہوتا تو میں ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جلیلہ کا ذکر کرتا اور بتلاتا کہ ان کے مولیٰ نے ان صفات میں دوسروں سے ان کو کیا ممتاز فرمایا ہے۔ لیکن یہاں تو مجھے صرف شرک کے معنی کی قدر سے وضاحت کرنا تھی۔ امید ہے کہ یہ معنی ذہن نشین ہو گئے ہوں گے۔ اب آپ اس معنی کے پیش نظر جب ان باتوں کو ملاحظہ فرمائیں گے جن کو بعض لوگ شرک کہتے ہیں تو آپ ان کو ہرگز شرک نہ کہہ سکیں گے۔

اصل یہ ہے کہ ان جیسے اقوال داہمیہ مسک دہا بیتہ کے ہیں جنہوں نے نہ صرف بعض گناہ صغیرہ پر بلکہ بعض جائز باتوں پر بھی شرک کا حکم لگا دیا ہے اور دہا بیتہ وہ ہیں جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مسک پر ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے فتاویٰ امدادیہ کی پانچویں جلد کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتے ہیں کہ:-
”وہابی وہ شخص ہے جو مسک میں ابن عبدالوہاب کا تابع ہو یا موافق ہو۔“

ابن عبدالوہاب کا مسک اگر معلوم کرنا ہو تو اس کی کتاب التوحید سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن وہ ہندوستان میں نایاب ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ تقویۃ الایمان، کتاب التوحید ہی کا ترجمہ ہے۔ پس اگر کسی کو اس کے مسک کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ تقویۃ الایمان کو دیکھے جو ہر جگہ میسر آتی ہے کہ دہا بیتہ نے لاکھوں کی تعداد میں اس کو طبع کرا کے ہندوستان میں شائع کیا ہوا ہے لیکن عوام کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ تقویۃ الایمان کو دیکھیں تو ان بیسیوں رسالوں میں سے کسی ایک کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو علامت اہل سنت نے تقویۃ الایمان کے رد میں تحریر فرمائے ہیں مثلاً اطیب الایمان فی رد تقویۃ الایمان، در نہ گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔



یہ بیان تو کلمہ طیبہ کے پہلے جزو ذکر اللہ الا اللہ کے متعلق تھا۔ اب میں اس کے دوسرے جزو مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کے متعلق کچھ عرض کروں کلمہ طیبہ میں ذکر اللہ الا اللہ

۱۔ کتاب التوحید ایک مختصر رسالہ ہے، تقویۃ الایمان نسبتاً مفہم ہے البتہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تالیف رد الاشراک (عربی) کتاب التوحید کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے تقویۃ الایمان رد الاشراک کے پہلے حصے کا تشریحی اردو ترجمہ ہے۔ اس کے ایڈیشن کا احاطہ متعذر ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۶ء میں شائع ہوا تھا۔ رد الاشراک کے دوسرے حصے کا اردو ترجمہ مولوی محمد سلطان نے کیا تھا، جو تذکرہ الاخوان کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں حصے تقویۃ الایمان اور تذکرہ الاخوان (کراچی سے یکجا شائع ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب راقم نے مطالعہ کی ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایمان عبارت ہے صرف کلمہ شہادہ کے جزو اول ذکر اللہ الا اللہ سے تو یقیناً یہ کتاب ایمان کی قوت کا باعث ہے اور اگر تکمیل ایمان کے لیے دوسرا جزو مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ بھی لازمی ہے تو پھر یہ کتاب ایمان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا ملک العلی اس کتاب کو ”تغیۃ الایمان“ فرمایا کرتے تھے۔ _____ مستور

کے بعد حضور کا اسم شریف لایا گیا ہے مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنی ہیں کہ تمام عالم اس ذات اقدس کی صفت و شاکر نے واللہ ہے بلکہ خود ان کا خالق بھی۔ جس سے اس جانب گویا اشارہ ہے کہ ہماری یکسانی کا اقرار کرنے کے بعد بھی ابھی تمہارا ایمان ادھر رہا ہے، جب تک کہ تمام مخلوق کے اندر اس ذات کی یکسانی کا اقرار اور (دل میں) اس کی تعظیم و توقیر نہ کر دے، تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جس کو کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:

وَتَعَزَّزُوهُ وَتُوقِّرُوهُ

گویا ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ ہمارا انکار کر دیا اس کا، دونوں صورتوں میں تم کا فرقرار پاؤ گے بلکہ انکار تو انکار میری یا اس کی جناب میں اگر ادنیٰ توہین بھی کی تو پھر بھی کافر کے کافر ہی رہو گے کہ توہین کے باوجود ہماری عظمت کا اقرار بھی کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اعظم کلمہ ”رسول“ لاکر اور اپنی طرف اس کی اضافت دے کر اس کو واضح فرمایا کہ ہمارے رسول ہمارے نائب ہیں۔ ان کا جو فرمان ہے، وہ ہمارا فرمان ہے، خواہ ہمارے کلام کی تکذیب کر دیا ان کے کلام کی، دونوں صورتوں میں کافر ہی رہو گے۔ اب یہاں یہ سمجھ لینا لازمی ہے کہ کیسے کلام کی تکذیب کفر ہے؟ تو یاد رکھئے کہ جب کلام کسی کی طرف سے کسی کے پاس نقل ہوتا ہوا آتا ہے تو اگر بیچ کے نقل کرنے والے ہنر مانہ میں اس قدر لوگ ہوں جن کا اتفاق جھوٹ پر عقل میں نہ آتا ہو اور وہ بات بھی ایسی ہو جس کے مطلب میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو، ایک ہی مطلب نکلتا ہو، ایسی بات کو دلیل قطعی کہتے ہیں۔ اور دلیل قطعی سے جو شے اللہ و رسول کی طرف سے ثابت ہو اس کی تکذیب کفر ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان۔ اور جو بات اس طور سے ثابت نہ ہو، اسے دلیل قطعی کہتے ہیں، اس کا انکار کفر نہیں ہوتا۔ اب اللہ و رسول کے احکام کی پیروی کی حیثیات کی طرف غور فرمادیں کہ کس قسم کے حکم کی پیروی کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ آت جب غلام کو حکم کرتا ہے تو کبھی تو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا ایسا حکم کرتا ہے کہ اس پر عمل کے سوا غلام کے لئے چارہ ہی نہیں درہ غلام سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ تو اگر ایسا حکم اللہ و رسول کی طرف سے بندوں کے لئے کسی کام کے کرنے کا دلیل قطعی سے ثابت ہو

اور اس میں سے اور نہ کرنے کا ثابت ہو تو وہ حرام ہے اور ایسا حکم کسی کام کے کرنے کا دلیل قطعی سے ثابت ہو تو واجب ہوتا ہے اور نہ کرنے کا دلیل قطعی سے ثابت ہو تو حرام ہوتا ہے۔

اور کسی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو نہایت پسند لیکن اگر کلام بھی اس حکم کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے تو آقا اس کی چنداں پروا نہیں کرتا، ہاں اگر کلام اپنے حکم کی خلاف ورزی کی عادت ہی کر لے تو پھر اس پر آقا خفا ہوتا ہے اور تھوڑی سی توبہ ہوتا ہے پس اگر ایسا حکم شارع سے کرنے کا ثابت ہو تو اسے سنت غیر منکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کی عادت کو اساعت۔

اور کسی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا اس پر عمل ہے تو پسند لیکن اس کی خلاف ورزی اگرچہ ناپسند ہے لیکن اس کی وجہ سے غلام کو قابل سزا نہیں جانتا۔ اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے سنت غیر منکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو تنزیہ کہتے ہیں۔

اور کسی آقا کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو پسند لیکن اس کی خلاف ورزی بھی کچھ زیادہ ناپسند نہیں۔ پس اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے سنت کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو خلاف اولیٰ کہتے ہیں۔

اور جن باتوں کی آقا، غلام کو نہ مانعت کرتا ہے اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے اس میں غلام مختار ہوتا ہے، کہے یا نہ کرے۔ کسی صورت میں اس سے پوچھ گچھ بھی نہیں کرتا۔ ایسی باتوں کو شریعت میں مباح کہتے ہیں۔



اب میں اپنے اس بیان کا خلاصہ عرض کروں اور احکام شرعیہ سے ہر ایک کو مطلع کروں تاکہ آپ کے بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

۱۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دوسرے کی ذات و صفات کو قدیم سمجھا جائے یا اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے، یا اس کو کسی شے کا پیدا

کرنے والا یا اس کی کسی صفت کو ذاتی سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی بات شرک نہیں۔

۲۔ کفر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کا انکار کیا جائے یا اس کے کسی ایسے کلام کا انکار کیا جائے جو ہمیں دلیل قطعی کے ساتھ پہنچ چکا ہو۔ شرک اور کفر کا حکم یہ ہے کہ وہ بلا توبہ ہرگز نہ بخشا جائے گا اور اس سے جتنے نیک عمل ہوتے ہیں سب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ شرک کا مقابل توحید ہے اور کفر کا مقابل ایمان۔

۳۔ فرض یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہو گیا ہو اور جس کا حکم ہم پر لازم کر دیا گیا ہو جیسے نماز، روزہ۔ اس کا کرنا ثواب اور ایک مرتبہ بھی بلا عذر شرعی ترک کر دینا گناہ کبیرہ ہے۔ پس اس کا ترک کرنے والا فاسق اور عذاب نار کا مستحق ہوتا ہے اور انکار کرنے والا یا اس کا مذاق اڑانے والا کافر۔

۴۔ واجب شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہوا ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، اس کا کرنا ثواب، بلا عذر شرعی قصداً ایک بار ترک بھی گناہ صغیرہ ہے اور بار بار ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب، مستحق عذاب لیکن اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں۔

۵۔ سنت مؤکدہ وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو (لیکن بیان جواز کے لئے کبھی ترک بھی فرمایا ہو) اور وہ فعل جس کی نہایت تاکید فرمائی ہو لیکن نہ فرض و واجب جیسی، اس کا کرنا ثواب اور اتفاقاً بلا عذر ترک کرنے والا مستحق عتاب ہے اور ترک کی عادت کرنے والا مستحق سزا۔

۶۔ سنت غیر مؤکدہ وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا اس کی طرف رغبت دلائی ہو، اور اس کا ترک اگرچہ ناپسند کیا ہو مگر نہ ایسا جیسا سنت مؤکدہ کا ترک ناپسند ہے پس اس کا کرنا ثواب لیکن اس کا تارک مستحق عتاب بھی نہیں۔

۷۔ مستحب وہ فعل جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ نے، یا علمائے اُمت نے پسند کیا ہو، اس کے ترک پر کچھ نہیں اور کرنا ثواب۔

۸۔ حرام وہ فعل جس کا نہ کرنا زونا ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہوا، اس کو قصداً کرنا گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے اور نہ کرنا ثواب اور انکار کفر۔ یہ فرض واجب کا مقابل ہے۔

۹۔ مکروہ تحریمی وہ فعل جس کا نہ کرنا ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہوا، اس کا کرنا ثواب اور کرنا گناہ صغیرہ، اور بار بار کرنا گناہ کبیرہ، لیکن انکار کفر نہیں۔ یہ واجب کا مقابل ہے۔

۱۰۔ اسادت وہ فعل جس کا نہ کرنا ثواب اور اتفاقاً کرنا باعث عتاب اور بار بار کرنا موجب سزا یہ سنت مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۱۔ مکروہ تنزیہی وہ فعل جس سے بچنا بہتر ہے اور باعث ثواب اور اس کا کرنا مستحب شارع علیہ السلام کو ناپسند ہے لیکن اس کے کرنے پر عتاب نہیں۔ یہ سنت غیر مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۲۔ خلاف ادلی وہ فعل جس میں بندہ مختار ہے، بچے گا تو ثواب کا مستحق ہے اور نہ بچے گا تو ثواب سے محروم ہے گا اور بس، یہ مستحب کے مقابل ہے۔

۱۳۔ مباح جو افعال اوپر ذکر کئے گئے یہ تو وہ تھے جو شریعت کو مطلوب ہیں اور اس کے ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر افعال ہیں جن کے لئے شریعت مظہرہ سے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جو ان افعال کو حرام کر دے وہ میں سے کسی فعل کو ثابت کرتی ہو، وہ تمام افعال مباح کہلاتے ہیں جس میں سلطان مختار ہے چاہے اس کو کرے یا نہ کرے اس پر نہ اس کو کچھ ثواب ہے نہ عتاب۔

۱۴۔ بدعت مباح افعال میں بعض وہ طریقے بھی ہیں جن کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ تھا، ایسے طریقے بدعت کہلاتے ہیں لیکن ان میں جو طریقہ کسی فعل واجب کی تقویت کے لئے نکلا ہے اس کو بدعت واجبہ کہتے ہیں اور جو کسی سنت کی تقویت دینے والا ہے اسے بدعت مستحبہ کہتے ہیں اور جو حرام فعل کو تقویت دینے والا ہے اسے بدعت محرّمہ کہتے ہیں، اور جو کسی مکروہ فعل کی تقویت دینے والی

ہو اسے بدعت مکرہہ کہتے ہیں اور جو ایسی ہو جس پر ان چاروں میں سے کسی کی تعریف بھی نہ صادق آتی ہو اسے بدعت مباحہ کہتے ہیں۔ پھر بدعت واجبہ اور مستحبہ کو بدعت حسنہ اور بدعت محمودہ اور بدعت مکروہہ کو بدعت فسلالہ۔ پس ان پانچ قسموں میں سے صرف دو قسمیں بدعت فسلالت ہیں اور دو بدعت حسنہ اور ایک بدعت مباحہ۔ لہذا ہر بدعت کو بدعت فسلالت نہیں کہہ سکتے۔

یہ ہے احکام شرعیہ کا بیان جن کو میں نے مختصر طور پر بیان کیا۔ اگر آپ ان کو ذہن نشین کر لیں گے تو پھر کسی فعل پر ان احکام کے خلاف کوئی حکم صادر نہ کر سکیں گے۔
وَاللّٰهُ الْوَلِيُّ وَهُوَ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔



بدعت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”حلال وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا۔ اور

حرام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا۔ اور

جس سے خاموشی اختیار فرمائی وہ عفو (جائز) ہے۔“

اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

”اللہ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں، پس انہیں ضائع نہ کرو (یعنی اُن پر

ہر حال میں عمل کرو)۔ اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں، اُنکی حرمت

لے (۱) امام ابو علی محمد بن علی، قزوینی شریف، مطبوعہ کراچی

(ب) ابوالعباس محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ کھنور

نہ توڑو۔ اور کچھ حدیں قائم کیں اُن سے آگے نہ بڑھو۔

اور کچھ چیزوں سے بغیر نیان کے (یعنی جان بوجھ کر) خاموشی اختیار

فرمائی، اُن میں بحث نہ کرو۔“ (یعنی وہ تمہارے لئے جائز و مستند

دے دی گئی ہیں)۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسول علیہ التحیۃ

لے (۲) محدث ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی، سنن دارقطنی

والسليم نے صاف لفظوں میں حلال فرمایا، وہ حلال ہو گیا۔ اور جس کو حرام فرمایا وہ حرام ہو گیا۔ اور جن امور کے بارے میں کچھ نہ فرمایا وہ جائز و مباح ہیں۔ یہ ایک فطری اصول ہے۔ اب اگر کوئی ایسے امور کے متعلق جن سے قرآن و حدیث میں خاموشی اختیار فرمائی یہ حکم لگاتے کہ یہ حلال ہے وہ حرام۔ اُس کیلئے قرآن حکیم کا یہ ارشاد کافی ہے :

”اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔“

بلاشبہ مناسب و معقول بات یہی ہے کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال کیا، اُس کو حلال سمجھیں۔ اور جس کو حرام کیا، اُس کو حرام سمجھیں اور خواہ مخواہ فقیہانہ موشگافیوں میں مبتلا ہو کر اتحاد کو پارہ پارہ نہ کریں۔ وہ اتحاد جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔ کسی چیز کا عہد رسالت تک صلی اللہ علیہ وسلم عہد خلافت راشدہ اور عہد تابعین و تبع تابعین میں ہونا اُس کی فضیلت کی دلیل ہے اور نہ ہونا اُس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ مباح اور جائز ہو۔

زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا اس میں انقلابات اور تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور وہ انسان کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے شریعت کے دائرے میں رہ کر اُن تبدیلیوں اور انقلابات کو قبول کیا جاسکتا ہے، اس کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درین زمان فیض افتران بنمن خالق کون و مکان
رسالہ شناخت شرک و توحید بموجب قرآن موسوم بہ

(۱۸۹۹)
تبییح التوحید (عربی)

خلاصہ مطالب ۱۳۱۶ کتاب لا جواب

کلمۃ الحق

تالیف : حضرت مولانا سید عبدالرحمن صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ

ترجمہ : جناب مولانا محمد اسد اللہ خاں صاحب خفی چشتی صابری

ساکن شہر مین پوری ہندوستان

حق حق حق

حضرت مولانا مولوی صوفی عبدالرحمن صاحب لکھنوی قدس سرہ العزیز اپنے زمانے کے ایک مقتدر عالم اور صاحب نظر بزرگ تھے، جن کی مشہور و معروف کتاب ”کلمۃ الحق“ عربی زبان میں ایک معرکہ الآراء تصنیف بھی جاتی ہے، یہ کتاب اب تقریباً نایاب ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی اب کہیں نہیں ملتا، عام مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح عقائد کے لیے قدوة السالکین زبدۃ العارفین مولائی مرشدی حضرت صوفی سید محمد حسین شاہ صاحب چشتی صابری قادری، رزاقی اویسی مراد آبادی نے اپنے خلیفہ اعظم جناب مولانا مولوی صوفی حضرت محمد اسد اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ ”کلمۃ الحق“ کا اردو ترجمہ شائع کرائیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ لیکن یہ ترجمہ عام فہم نہ تھا اور اس سے صرف علماء و فضلاء ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ پھر حضور نے ایماء فرمایا کہ اس کتاب کا خلاصہ عام فہم زبان میں کر دیا جائے تاکہ عامۃ المسلمین کے لیے سودمند ہو سکے۔ چنانچہ حضرت مولانا نے اس کام کو بھی بوجہ احسن پایہ تکمیل کو پہنچایا اور یہ رسالہ ”تحقیق التوحید“ کے نام سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہو گیا۔ اب یہ رسالہ بھی ناپید ہو چکا ہے، اصلاح عقائد کے سلسلے میں ایسے رسائل کی ضرورت انیت عرصے سے محسوس ہو رہی ہے چنانچہ چند احباب اور برادران طریقت کے اصرار پر رسالہ ہذا کے متن میں کسی قسم کی ترمیم کئے بغیر میں اس نایاب تحفے کو عوام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ وہ اس کے مطالعہ سے مستفیض ہو کر داخل حسنات ہوں۔

وما علینا الا البلاغ

بندہ

سید محمد اولاد علی گیلانی، ایم اے چشتی صابری قادری رزاقی عفا اللہ عنہ

کوچہ سید میراں شاہ، اندرون کسالی دروازہ،

(درگاہ حضرت پیر سید قاسم شاہ مشہدی قادری)

لاہور۔ ۷ جنوری ۱۹۵۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ
وعلی الکر و اصحابک یا حبیب اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله.
والصلوة والسلام على سيد الانبياء محمد حبيب الله. وعلى اله و
اصحابه الذين فازوا الى اعلى الدرجات بكثرة اذكار لا اله الا الله۔

اما بعد بندہ محمد ان محمد اسد اللہ خاں حنفی چشتی صابری قادری ساکن شہر مین
پوری عرض کرتا ہے۔ کہ قبل اس کے کترین نے کتاب کلمۃ الحق مصنفہ حضرت مولانا
سید شاہ عبدالرحمن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ عربی زبان سے اردو میں کیا
جس کا نام ”وحدۃ الحق“ رکھا۔ لیکن وہ کتاب چونکہ سراپا علمی بحث سے پر ہے اگرچہ
اردو ہوگئی تو بھی عام فہم نہ ہوئی کیونکہ قواعد علمیہ کا مفہوم تو وہی رہا۔ جو پہلے تھا۔ اور
ظاہر ہے کہ جو شخص قواعد علمیہ سے ماہر ہے وہی اس سے پورا حظ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن
جو نادانقت ہے وہ باعث طبیعت الجھنے کے اس سے پورا نفع اٹھا نہیں سکتا۔ چنانچہ خود
مولانا صاحب نے اس کتاب کے پہلے وصل میں فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ چند امور پر
مشتمل ہے۔ اول کلمہ میں لافنی جس کا ہے دوم اسم لاکا کرہ ہے۔ سوم خبر لاکہ حذف
ہے۔ چہارم محذوف پر کونسا قرینہ ہے۔ پنجم لاکہ استثنا کے لیے ہے۔ ششم سمجھنا مضمر غ
کا۔ ہفتم کلمہ میں قصر موصوف کا صفت پر ہے نہ اس کا عکس۔ اور وہ قصر قصر قلب ہے نہ
افراد اور تعین۔ ہشتم کلمہ طیبہ دو حکموں ایجابی اور سلبی پر مشتمل ہے۔ نہم کلمہ طیبہ دو کلیوں
سالہ اور موجبہ کی طرف راجع ہے۔ دہم کلمہ طیبہ محکم ہے۔ آیات محکمات قرآنیہ سے
نہ غیر محکم اقسام لقم میں سے۔ پس کلمہ طیبہ کو مع دلائل جاننے کے لیے علم نحو اور معانی
اور بیان اور بلاغت اور فن اصول اور منطق اور تفسیر اور حدیث سے بصیرت حاصل
ہونا ضرور ہے اتنی پس مولانا صاحب نے کلمہ طیبہ کی تفسیر میں جو اس کتاب میں لکھی
گئی۔ انہیں امور مذکورہ کو ان سب علوم کے قواعد کے مطابق نہایت تفصیل کے ساتھ

بیان فرما کر پایہ ثبوت کو پہنچایا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کتاب نہایت مشکل ہوگئی اور
باوجود اردو ہونے کے بھی عام فہم نہ ہوئی۔ ان دنوں پاس خاطر بر خوردار عزیز منشی
نبی محمد سلمہ اللہ الاحد مین نے یہ تکلیف اپنے اوپر گوارا کی کہ کتاب کلمۃ الحق کا اصل
مطلب جو شرک اور توحید کا پہچاننا ہے اور بدلائل قرآنی اس کی تنقیح کی گئی ہے علمی
بحث چھوڑ کر بطور خلاصہ علیحدہ لکھا۔ اور ایک مختصر رسالہ جداگانہ اپنے طور پر مرتب کیا
اور نام اس کا ”تنقیح التوحید“ رکھا اور رسالہ ”ہدیہ مہدیہ“ کے آخر میں اس کو شامل
کیا۔ کیونکہ ہدیہ مہدیہ رسالہ ”تحفہ مرسلہ“ عربی کا اردو ترجمہ ہے جو اس سے تین
سال پہلے کیا گیا اور ”تحفہ مرسلہ“ وہ رسالہ ہے جو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی
تعلیم کے لیے ان کے پیر و مرشد برحق نے علم توحید کے بیان میں تصنیف فرمایا تھا اور
جناب سیدی سندی مولائی و مرشدی حضرت مولوی ضوفی شاہ سید محمد حسین صاحب
حسینی قدوسی اویسی رحمانی حنفی حجازی مراد آبادی۔ دام انصالحم نے اس کترین کو
عطا فرمایا۔ وہ ایک متن متین ہے۔ جس میں توحید کے اصل مسائل ہیں اور یہ بمنزلہ
شرح کے ہے جس میں دلائل ہیں اور دونوں کے مطالعہ سے دو نافع متصور ہے اس
رسالے کے تین باب کئے گئے۔ باب اول میں شرک کی تنقیح ہے۔ باب دوم میں
توحید کی تنقیح ہے باب سوم میں توہمات کا جواب ہے۔ اور شرک کو پہلے اس لیے بیان
کیا کہ جب اصلیت شرک کی سمجھ میں آجائے گی تو توحید جو ضد شرک ہے آسانی سے
جھٹ سمجھ میں آجائے گی۔ یہ رسالہ تاریخ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ روز دوشنبہ کو تمام ہوا
الحمد للہ علی احسانہ۔

باب اول شرک کی تنقیح میں

قال الله تعالى ”ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك
لمن يشاء۔ و من يشرك بالله فقد ضل ضللاً بعيداً۔“ (پ ۵ آیت ۱۱۶)

ترجمہ:- فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخشتا ہے سوائے اس کے جس کو چاہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا پس تحقیق بھٹکا وہ دور کا بھٹکنا یعنی پر لے سرے کا گمراہ ہو گیا۔ انتہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ شرک ایسی بری بلا ہے اور ایسا سخت گناہ ہے جس کے بخشے سے خدا انکار کرتا ہے اور سوائے شرک کے سب گناہ گودہ کیسے ہی بڑے کیوں نہ ہوں قابل بخشش ہیں تو ضرور شرک کوئی ایسی بھاری بات ہے۔ جو قتل اور فسق اور چوری وغیرہ سب بڑے گناہوں سے زیادہ ہو۔ نہ یہ ہلکی ہلکی باتیں جو ان دنوں شرک کبھی جاتی ہیں جیسے شب برات کو کورا گھڑا بھرنایا محرم میں شربت پلانا یا مولود شریف میں کھڑا ہونا وغیرہ۔ کیونکہ یہ باتیں قتل و فسق وغیرہ کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہیں سو تو ناقابل بخشش ٹھہریں اور وہ سب قابل بخشش قرار پائیں۔ پھر دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم
هَذَا۔ (سورة التوبة پ ۱۰۔ آیت ۲۸ رکوع ۱۰)

ترجمہ:- سوائے اس کے نہیں کہ شرک ناپاک ہیں پس وہ مسجد حرام کے نزدیک نہ جائیں اس سال کے بعد۔ انتہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ شرک ناپاک ہیں پس وہ ناپاک کی بھی شرک ہے جس کے سبب وہ کعبہ شریف سے ہمیشہ کے لیے خارج کئے گئے۔ چنانچہ اس سال کے بعد مکہ فتح ہوا۔ تب سے آج تک اور اب سے قیامت تک کوئی شرک اس میں نہ داخل ہوا نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا:- فاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ۔ (سورة التوبة پ ۱۰۔ آیت ۵ رکوع ۷) ترجمہ:- پس قتل کرو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ انتہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ شرک اس لائق ہیں کہ جان سے مار ڈالے جائیں اور ان کا مال لوٹا جائے اور ان کی اولاد کو نڈی غلام بنالیے جائیں پھر فرمایا۔

ان الله بريء من المشركين ورسوله۔ (پ ۱۰۔ سورة التوبة آیت نمبر ۳)

ترجمہ:- تحقیق اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔ انتہی

پھر فرمایا

من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة و ماواه النار۔ (پ ۶۔
سورة المائدة آیت نمبر ۲) ترجمہ:- جس نے اللہ کا شریک کیا پس تحقیق حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے انتہی

یہ چند آیتیں نمونے کے طور پر نقل کی گئیں جس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ شرک ضرور کوئی بھاری بات ہے جس سے خدا سخت بیزار ہے نہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں۔ مثلاً کسی بزرگ کے ہاتھ یا پاؤں پر بوسہ دینا یا عرس میں شریک ہونا یا کہ یا رسول اللہ کہنا وغیرہ۔ کیونکہ یہ باتیں زنا چوری شراب خواری وغیرہ کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور یہ سب گناہ اور اسی طرح اور سینکڑوں گناہ ہیں جو کبیرہ کہلاتے ہیں وہ سب مادون ذلک میں داخل ہیں یعنی شرک کے سوا ہیں جن کے بخشے جانے کی امید قرآن سے ثابت ہے پس نہایت ضرور اور واجب ہے کہ دریافت کیا جائے کہ شرک کوئی بات ہے جس سے خدا ایسا سخت بیزار ہے۔ اور بہت مناسب ہے کہ قرآن مجید ہی میں تلاش کیا جائے تاکہ کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔ سو پہلے ہم قرآن مجید میں یہ تلاش کرتے ہیں کہ خدا نے مشرک کن لوگوں کو فرمایا۔ پھر یہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں وہ کوئی بات تھی جس کو وہ شرک کہنا چاہیے۔

اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مشرکین کا لفظ قرآن مجید میں اہل عرب کے لیے بولا گیا ہے۔ اور اہل کتاب کو خدا نے مشرکین سے علیحدہ رکھا ہے۔ چنانچہ

فرمایا:

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ - (پ ۳۰ - سورۃ
الہینۃ - آیت نمبر ۱ - رکوع نمبر ۲۳)

تفسیر عباسی میں ہے من اهل الکتاب یعنی الیہود والنصارى والمشرکین -
مشرکی العرب انہیں مطلب یہ ہے کہ کافر ان اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ
ہیں - اور مشرکین سے مراد مشرکین عرب ہیں - پھر فرمایا:

ان الذين كفروا من اهل الكتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین
فیہا - (پارہ ۳۰ رکوع ۲۳ سورۃ الہینۃ آیت ۶)

ترجمہ:- بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس
میں رہیں گے -

تفسیر عباسی میں ہے - والمشرکین باللہ یعنی مشرکی اہل مکہ انہیں یہاں بھی
مشرکین سے مراد اہل مکہ ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہل عرب خدا کے ساتھ کیا گمان
رکھتے تھے - سو خدا نے ان کی بابت یہ فرمایا ہے -

ولئن سئلہم من خلق السموات والارض و سخر الشمس والقمر
لیقولن اللہ -

ترجمہ اور اگر تو ان سے پوچھے - (یعنی مشرکوں سے) کہ کس نے پیدا کیا
آسمانوں اور زمین کو - اور تسخیر کیا سورج اور چاند کو - تو البتہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے -

انہی

تفسیر عباسی میں ہے:

لیقولن کفار مکۃ انہیں مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ اگر تم اہل
مکہ سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر

کیا تو ضرور وہ کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے - اور اللہ نے ان کو مسخر کیا ہے
پھر فرمایا -

ولئن سئلہم من خلق السموات والارض ليقولن خلقہن العزیز
الحکیم -

ترجمہ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو البتہ
البتہ وہ کہیں گے کہ پیدا کیا ان کو غالب حکمت والے نے انہی
پھر فرمایا -

قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم. سيقولون
للہ - (پ ۱۸، سورۃ المؤمنون آیت ۸۶ - ۸۷)

ترجمہ کہہ تو کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں اور پروردگار عرش بزرگ کا تو
کہیں گے کہ اللہ ہی کا ہے انہی -

ان مقاموں سے ثابت ہوا کہ اہل عرب خدا کے وجود اور وحدت اور خالقیت
اور ربوبیت اور عزت اور حکمت وغیرہ کے قائل تھے تو بھی ان پر مشرکین کا لفظ بولا گیا
اور انما اللہ اللہ واحد - ان کے لیے القا کیا گیا ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ خدا
معبود اکیلا ہے انہی اور ظاہر ہے کہ کلام بلیغ مخاطب کے حال کے موافق ہوا کرتا ہے
نہ بر خلاف حالت کے -

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب جن کو خدا نے مشرکین سے علیحدہ رکھا - خدا
کے ساتھ کیا عقیدہ رکھتے تھے سوال کی بابت خدا نے فرمایا -

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ - (پ ۶ سورۃ المائدہ آیت
نمبر ۷۳)

ترجمہ تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا خدا تیسرا ہے تین کا انہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ خدا کی ذات میں تین شریک ٹھہراتے ہیں یعنی باپ بیٹا روح القدس تینوں کو خدا کہتے ہیں اور توحید میں تثلیث کو ماننے ہیں جو صریح شرک معلوم ہوتا ہے تو بھی خدائے پاک نے ان کو مشرک نہیں فرمایا بلکہ کافر کہا پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم۔ (پ ۶ آیت نمبر ۷۲ المائدہ رکوع ۱۴)۔

ترجمہ: تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے انتہی

پس باوجود تین شریک کرنے اور مسیح کو خدا کہنے کے بھی خدا نے ان کو مشرک نہیں فرمایا بلکہ کافر کہا اور مشرکین سے ان کو علیحدہ رکھا جیسا اوپر ثابت ہو چکا۔ بلکہ چند احکام میں مشرکین اور اہل کتاب کے درمیان فرق کر دیا چنانچہ مشرکین کے لیے فرمایا۔

انما المشركون نجس۔ اور ولا تنكحوا المشركات حتی یومن
ولامة مومنة خیر من مشركة ولو اعجبتکم۔ (پ ۲ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۲۲۱
سورة البقرہ)۔

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مشرک ناپاک ہیں۔
اور مشرک عورتوں سے تم نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اور
لوئذی مومنة البتہ بہتر ہے مشرک سے اور اگرچہ تم کو تعجب میں ڈالے۔ انتہی
اور اہل کتاب کے لیے فرمایا۔

وطعام الذين اتوا الكتاب حل لکم و طعامکم حل لهم
والمحصنات من المومنات و المحصنات من الذين اتوا الكتاب من

قبلکم اذا اتیتموهن اجورھن۔ (پ ۶ رکوع ۵ آیت ۵ سورة المائدہ)
ترجمہ: ذبیحہ ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا
ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔ اور محصنہ عورتیں مسلمانوں کی اور محصنہ عورتیں ان
لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہیں جب تم ان کا مہر ان
کو دو۔ انتہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے اور مشرک کے
ہاتھ کا درست نہیں۔ اور اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کرنا
درست ہے اور مشرکوں کی عورتوں سے نکاح درست نہیں بلکہ چھو کر مسلمان آزاد
مشرک سے بہتر ہے۔ ان سب مقاموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشرک
کی کوئی دوسری بات ہے۔ جو مشرکین میں پائی جاتی تھی اور اہل کتاب میں نہ تھی۔
لہذا بہت ضرور اور واجب ہے کہ اس کی تنقیح کی جائے۔

تجسس اور تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب میں چند باتیں تھیں اور یہ
باتیں ان کے سوا ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں کہ اہل عرب خدا کے وجود اور وحدت اور
خالقیت وغیرہ کے قائل تھے۔ اول گمان غیریت کا درمیان خدائے پاک اور درمیان
تمام چیزوں کے تشبیہات کی قسم سے یعنی وہ لوگ دو وجود مانتے تھے اور گمان کرتے
تھے کہ خدا بھی موجود ہے اور غیر خدا بھی موجود ہے۔

دوم وہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور خدا کو تشبیہ میں منحصر کرتے
تھے۔ چنانچہ ان کا قول ہے۔
الملائكة بنات الله۔

ترجمہ: فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ انتہی
اور ان کا قول

صف لتاریک یا محمد من ای شنی هو من ذهب او فضیة۔
ترجمہ: اے محمد تو ہمارے سامنے اپنے رب کا وصف بیان کر کہ وہ کس چیز کا ہے
وہ سونے کا ہے یا چاندی کا اتنی۔

سوم وہ لوگ بتوں کو بوجے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

چہارم وہ لوگ بتوں کو اللہ کہتے تھے۔

پنجم۔ وہ لوگ بتوں سے شفاعت کی امید رکھتے تھے جیسا کہ ان کا قول خدائے
پاک نے بیان فرمایا۔

هو لاء شفاءنا عند الله۔ (پ ۱۱ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸ سورۃ یونس)

ترجمہ: یہ بت ہمارے شفیع ہیں خدا کے پاس اتنی اور

ما نعبدہم الا ليقربونا الى الله زلفی۔ (پ ۲۳ سورۃ زمر آیت نمبر ۳)

ترجمہ: ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو مرتبہ قرب میں خدا
سے نزدیک کریں گے۔ اتنی

اب ان پانچوں باتوں پر غور کرنا چاہیے کہ ان میں سے شرک کی وجہ کونسی بات
ہے۔

امر پنجم یعنی بتوں سے شفاعت کی امید رکھنا اور ان کو قرب خدا کا ذریعہ جاننا
شرک کی وجہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ شرعاً غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھنا اور ان کو
قرب الہی کا وسیلہ جاننا درست ہے جیسے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے پاس ہمارے شفیع
ہیں اور ہمارے لیے قرب الہی کا ذریعہ ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شرک ہے۔

امر چہارم یعنی بتوں کا نام اللہ رکھنا بھی وجہ شرک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ لفظ اللہ
مشرک لفظی ہے کبھی خدا پر بولا جاتا ہے اور کبھی معبود ممکن پر۔ چنانچہ قول خدائے
پاک کا انما اللہ واحد۔ ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ خدا معبود اکیلا ہے اتنی۔

اس آیت میں لفظ اللہ خدا پر بولا گیا اور اللہ مع اللہ۔ ترجمہ: آیا کوئی معبود ہے خدا
کے ساتھ اتنی۔

یہاں لفظ اللہ معبود ممکن پر بولا گیا اور خدا کے غیر مخصوص اسما غیر خدا پر بولنا
درست ہے۔ چنانچہ خدا نے جس طرح اپنی شان میں رؤف اور رحیم فرمایا۔

مثال اول ان اللہ بالناس لرؤف رحیم۔ (پ ۳ سورۃ البقرہ آیت
نمبر ۱۴۳) ترجمہ تحقیق اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اتنی

مثال دوم حوٰیص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (پ ۱۱ سورۃ التوبہ
آیت نمبر ۱۲۸) ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ایمان لانے کے لیے حرص
کرنے والا ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے اتنی۔

پس کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شرک ہے

امر سوم یعنی بتوں کو سجدہ کرنا بھی وجہ شرک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تشبیہ کا سجدہ
تشبیہ کے لیے قرآن مجید سے ثابت ہے بلکہ خود خدا ہی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو
سجدہ کریں اگر سجدہ کرنا شرک ہوتا تو خود خدا جو شرک سے سخت بیزار ہے کبھی آدم کے
لیے سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو نہ دیتا اور شیطان کو اسی سجدہ نہ کرنے کے سبب مردود
اور ملعون نہ کرتا جیسا کہ فرمایا۔

اذ قلنا للملائكة اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس۔ ابی واستکبر
وکان من الکافرین۔ (پ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۳۴)

ترجمہ: جس وقت کہا ہم نے فرشتوں سے کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس انہوں نے
سجدہ کیا مگر شیطان نے۔ اس نے انکار کیا اور غرور کیا اور کافر ہوا اتنی

اور اگلی شریعتوں میں تو سجدہ تعظیمی درست تھا جیسا کہ حضرت یوسف کو ان کے
باپ ماں اور بھائیوں نے سجدہ کیا جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وخسر والہ مجدداً۔

ترجمہ: اور گرے وہ اس کو سجدہ کرتے ہوئے انتہی گو ہماری شریعت میں سجدہ تعظیسی روا نہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگلی شریعتوں میں شرک جائز تھا۔ بلکہ شرک کبھی جائز نہ تھا اور شرک سے خدا ہمیشہ ایسا ہی بیزار رہا جیسا کہ اب ہے۔ پس خدا کا سجدہ کے لیے حکم دینا اور فرشتوں کا اس کی تعمیل کرنا اور شیطان کا تعمیل نہ کرنے سے کافر ہونا اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنا اس بات کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ سجدہ شرک کی وجہ نہیں ہے کیونکہ شرک کسی وقت میں روا نہ تھا۔

امردوم یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنا اور خدا کو تشبیہ میں منحصر کرنا بھی وجہ شرک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اہل کتاب بھی یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے

وقالت اليهود عزيز ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله۔ (پ ۱۰ سورہ التوبہ آیت نمبر ۳۰) ترجمہ کہا یہود نے عزیز خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح خدا کا بیٹا ہے انتہی پھر فرمایا۔

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم۔ (پ ۶ سورۃ المائدہ۔ آیت نمبر ۷۲)

ترجمہ: تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے۔ انتہی

اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ اہل کتاب کو خدا نے شرک نہیں فرمایا ہے بلکہ کافر کہا ہے اور مشرکوں سے ان کو علیحدہ رکھا ہے۔ پس یہ وجہ بھی شرک نہ ٹھہری

اب امر اول باقی رہ گیا یعنی گمان غیریت کا درمیان خدائے پاک اور درمیان

تمام چیزوں کے خواہ الہ ہوں یا اور چیزیں ہوں یعنی دو وجود ماننا اور اللہ اور غیر اللہ دو کو موجود جانتا یہی شرک ہے کیونکہ صرف ایک اللہ ہی ہو جو واحد موجود ہے۔ دوسرا وجود ہی نہیں ہے جو موجود ہو اگر دوسرا وجود ہوتا تو وہ اس وجود کا غیر کہلاتا۔ اور لفظ غیر اللہ کا مصداق ہوتا سو دوسرا وجود ہی نہیں پس درحقیقت وہی ایک وجود ہے کوئی چیز اس وجود کی غیر نہیں ہے جو کوئی غیر جانے وہ درحقیقت اس کا شریک ٹھہراتا ہے یہی شرک ہے جس سے خدا سخت بیزار ہے اور اسی سے اس کو سخت غیرت آتی ہے کیونکہ صرف اسی صورت میں اس کا مقابل اور مماثل پیدا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے یہ گناہ ناقابل بخشش اور سخت بیزاری کے لائق ہوا۔

اگر کہا جائے کہ اہل کتاب بھی غیریت کے قائل ہیں تو جواب یہ ہے کہ خدا کی کتاب یعنی توریت اور انجیل پر ایمان لانے کے ضمن میں ان کو توحید پر ایمان حکمی حاصل ہے اس طرح کہ ان کو اس بات کا شعور نہ ہوا جس طرح کہ مسلمان بھی نہیں جانتے ہیں لیکن قرآن پر ایمان لانے کے ضمن میں ان کو بھی توحید پر ایمان حاصل ہے اور مشرکین کسی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے ضمن میں ان کو توحید پر ایمان حاصل ہوتا اس لیے وہ مشرک کہلائے اور اسی سبب سے کتابی عورت سے نکاح درست ہوا اور مشرک عورت سے جب تک وہ مسلمان نہ ہو درست نہیں اور کتابی کا ذبیحہ درست ہوا اور مشرک کا نادرست جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا پس جب کہ یہ چاروں امور مذکورہ جو بڑے بڑے اور بھاری بھاری تھے۔ وجہ شرک نہ ہوئے تو وہ چھوٹی چھوٹی اور ہلکی ہلکی باتیں جنہیں لوگ شرک سمجھتے ہیں اور جن کی دو چار مثالیں شروع میں بیان ہوئیں کب شرک ہو سکتی ہیں بلکہ درحقیقت یہ شرک ہے جس کو لوگ جانتے بھی نہیں اور اسی نہ جاننے کی وجہ سے یہ خیالی اور وہمی مثالیں دل سے بنائی ہیں نہ کہ کتاب اور سنت سے نکالی ہوں اور کتاب سے جو ثابت ہے وہ یہی غیرت

ہے جو امر اول میں بخوبی بیان ہو چکی۔ المختصر اس تھوڑے سے بیان سے جو بموجب آیات قرآنی ہوا شرک کی تنقیح بخوبی ہو گئی اب توحید کی تنقیح شروع کی جاتی ہے اور خدا مددگار ہے۔

باب دوم توحید کی تنقیح میں

جب شرک کی اصلیت اور برائی معلوم ہو چکی تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خدا نے اس کے دفع کی کوئی تدبیر مقرر کی سو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے جس سے شرک دفع ہوتا ہے اور سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب پر اسی کو پیش کیا اور اب تک وہی دستور جاری ہے کہ جب کسی کو مسلمان کرتے ہیں تو پہلے یہی کلمہ پڑھاتے ہیں اور اسلام کے پانچ ارکان جن پر اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے ان میں سے پہلا یہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ پہلا رکن ایمان ہے اور باقی چار اعمال ہیں اور بغیر ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ پس کلمہ طیبہ ساری کتاب و سنت کا اصل الاصول ہے اسی کے اقرار اور تصدیق سے مسلمان ہوتا ہے اور انکار سے کافر ہوتا ہے۔ اسی کے مضمون کی تصدیق ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ جس کا یہ ٹھیک ہے اس کے سب اعمال ٹھیک ہیں جس کا یہ ٹھیک نہیں اس کا کوئی عمل ٹھیک نہیں کیونکہ سب عمل ایمان پر موقوف ہیں اسی لیے اسلام کی پہلی تعلیم یہی ہے اور تمام مسلمان اسی کو پڑھتے اور جانتے ہیں کہ اسی سے شرک دفع ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ کلمہ شریف کے معنی ایسے ہوں جس سے سچ سچ شرک دفع ہوتا ہو لیکن اس کے معنی میں علماء اور صوفیہ کے درمیان اختلاف ہے اب ہم دونوں معنی بیان کرتے ہیں جس سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ کون سے معنی سے شرک دفع ہوتا ہے۔

علماء کلمہ طیبہ میں تین جگہ تقدیر و تاویل کرتے ہیں اول لای نفی جنس کی خبر میں

اللفظ موجود مقدر مانتے ہیں دوم لفظ الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ سوم لفظ الا کو استثناء کے معنی سے ہٹا کر غیر کے معنی میں لیتے ہیں پس اس صورت میں کلمہ طیبہ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود سوائے خدا کے اور بنیاد اس تاویل کرنے کی یہ ہوئی کہ حسب قاعدہ زبان عربی لائی نفی جنس کی خبر کثرت سے محذوف ہوتی ہے اور اکثر افعال عامہ میں سے کوئی لفظ مثل موجود یا ثابت یا کائن کے وہاں مقدر مانا جاتا ہے پس یہاں بھی انھوں نے حسب عادت لا کی خبر میں لفظ موجود مقدر مانا تو یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود موجود مگر خدا۔ اس صورت میں کلمہ کے معنی میں کذب لازم آتا تھا یعنی کلمہ کے یہ معنی ہوئے کہ کوئی معبود موجود نہیں ہے حالانکہ بہت سے معبود موجود ہیں زمین پر بت وغیرہ آسمان پر چاند سورج وغیرہ جن کی لوگ عبادت وغیرہ کرتے ہیں تب انہیں دوسری تاویل کرنا پڑی یعنی الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کیا تب یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود مگر خدا۔ یعنی اگرچہ معبود بہت سے موجود ہیں لیکن وہ لائق عبادت کے نہیں ہیں اس صورت میں ایک اور قباحہ پیش آئی وہ یہ ہے کہ الاحرف استثناء ہے جس کے معنی مگر ہیں اس حرف کے ذریعہ سے جماعت میں سے ایک کو مستثنیٰ یعنی علیحدہ کر لیتے ہیں پس اگر الا کے معنی مگر کے لیے جاتے تو یہ لازم آتا تھا کہ معبودان مستحق العبادت کی جماعت میں سے خدا کو مستثنیٰ کر لیا اس قباحہ پر نظر کر کے انہیں تیسری تاویل کرنا پڑی یعنی الا کو استثناء کے معنی سے ہٹا کر غیر کے معنی میں لیا جس کے معنی ہیں سوا۔ تب یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود سوائے خدا کے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مضمون فی نفسہ درست ہے مگر کلمہ کے یہ معنی نہیں ہیں کیونکہ کلمہ کے لفظوں سے یہ معنی نہیں نکلتے ہیں بلکہ تاویلیں یعنی بناوٹیں کر کے یہ معنی

پیدا کئے گئے ہیں اور موجود مقدر ماننے کے بارہ میں یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ جہاں ظرف یا شبہ ظرف واقع ہو وہاں افعال عامہ میں سے لفظ موجود وغیرہ کے مقدر ماننے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ظرف یا شبہ ظرف جار مجرور ہوتا ہے اور جار مجرور کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کسی سے متعلق کیا جائے اگر فقرے میں نہ ہو تو مقدر مانا جائے اور جہاں جار مجرور نہیں وہاں ان افعال عامہ میں سے مقدر ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی جگہ وہ مقدر ہوتا ہے جو مخاطب کے گمان میں ہو۔

پس کلمہ طیبہ میں جار مجرور نہیں ہے لہذا موجود مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور جب موجود کو مقدر نہ مانا تو اس کے سبب سے جو تاویلیں کرنا پڑی تھیں ان کی بھی ضرورت نہ رہی اور جب تاویلوں کی ضرورت نہ رہی تو کلمہ شریف کے اصلی لفظ رہ گئے ان لفظوں سے جو معنی نکلیں وہی کلمہ کے صحیح معنی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کلمہ طیبہ مشرکین کے گمان کے رد کرنے کے لیے نازل ہوا اور وہ گمان غیرت کا ہے درمیان خدائے پاک اور درمیان بتوں اور تمام چیزوں کے۔ پس ان کے عقیدے کے رد میں نازل ہوا لا الہ الا اللہ۔ پس یہاں لفظ غیر اللہ جو ان کے گمان میں ہے مقدر مانا جائے گا تا کہ رد مردود پر منطبق ہو نہ کہ لفظ موجود جو کہ ان سب جھگڑوں بکھیروں کا باعث ہوا کیونکہ اس کے مقدر ماننے کا موقع فقط ظرف یا شبہ ظرف میں ہوتا ہے سو یہاں نہ ظرف ہے نہ شبہ ظرف۔

پس صوفیہ کے نزدیک کلمہ کے یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی الہ غیر اللہ مگر اللہ یعنی جس کو تم خدا کا غیر گمان کرتے ہو وہ اس کا غیر نہیں ہے بلکہ اس کا عین ہے اور جس وقت کلمہ طیبہ اہل عرب کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تو وہ لوگ چونکہ عرب کے زباندان تھے فوراً اس کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے

اجعل الالهة الها واحداً ان هذا الشئ عجب۔ (پ ۲۳ سورہ ص)

(آیت نمبر ۵)

ترجمہ: آیا گردان لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے الہوں کو الہ واحد تحقیق یہ عجیب بات ہے انتہی۔ اور یہی معنی کلمہ کے حقیقی اور اصلی معنی ہیں جس سے توحید نکلتی اور شرک یعنی گمان غیرت دفع ہوتا ہے سوان زباندانوں نے جھٹ سمجھ لیے اور چونکہ عینیت ان کے وہموں کے خلاف تھی لہذا اس کے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کیا اور جنگ وجدال پر آمادہ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دقیقہ دشمنی کا اٹھانہ رکھا۔ اور جب کلمہ شریف ان کے سامنے کہا جاتا تھا تو وہ سخت مغرور کی ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

واذا قيل لهم لا اله الا الله، يستكبرون۔ (پ ۲۳ سورہ الصفت آیت نمبر ۳۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے لا الہ الا اللہ تو وہ غرور کرتے ہیں انتہی۔ پس اگر کلمہ طیبہ کے معنی صرف اتنے ہی تھے جو تاویل کے بعد پیدا ہوتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور عبادت کے لائق ہے تو اس کو تو وہ پہلے ہی مانتے تھے جیسا اوپر بیان ہو چکا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ یہ ان کے گمان کے خلاف نہ تھا اس صورت میں اس تعجب اور تکبر کی ضرورت کیا تھی پس معلوم ہوا کہ وجہ تعجب اور غرور کی وہی عینیت تھی جو ان کے گمان کے برخلاف تھی اور اسی کو سن کر وہ کہنے لگے کہ ضل صاحبنا وغوی۔

ترجمہ: یعنی ہمارا ساتھی بہک گیا اور گمراہ ہوا انتہی۔

جس کا جواب خدائے یہ دیا کہ

ما ضل صاحبکم و ما غوی۔ (پ ۲۷ سورہ النجم آیت نمبر ۲)

ترجمہ: نہیں بہکا ساتھی تمہارا اور نہ گمراہ ہوا انتہی

اور اسی کو سن کر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر اور جھوٹا کہا جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

وقال الكافرون هذا ساحر كذاب. اجعل الالهة الها واحدا. ان هذا لشي عجاب۔ (پ ۲۳ سورہ صحت آیت نمبر ۵۰)

ترجمہ: اور کہا کافروں نے یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے آیا گردان لیا اس نے بہت سے الہوں کو الہ واحد متحقق یہ بڑی عجیب چیز ہے اتنی

یہاں سے ثابت ہوا کہ انھوں نے ساحر اور کذاب کا لفظ اسی عینیت کے سبب کہا جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔ پس اگر وہ معنی ہوتے جو تاویل کے بعد حاصل ہوئے تو کذاب کبھی نہ کہتے کیونکہ وہ اس کے منکر نہ تھے بلکہ اس دعوت سے پہلے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امین اور صادق کہتے تھے یعنی سچا اور امانتدار اب یکبارگی جادوگر اور جھوٹا اور بہکا ہوا اور گمراہ اور دیوانہ کہنے لگے

پس بخوبی ثابت ہوا کہ کلمہ کے صحیح معنی یہی ہیں جو اہل زبان سنتے ہی سمجھ گئے اور اپنا تعجب ظاہر کرنے لگے اور اپنے عقیدے کا رد دیکھ کر برے برے لفظ کہنے لگے اور جدال و قتال پر آمادہ ہو گئے نہ وہ معنی جو تاویل کے بعد حاصل ہوئے ہیں کیونکہ اس معنی کے وہ منکر نہ تھے۔

اب ہم اس کی تشریح اور زیادہ کرتے ہیں اور ایسی آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں لفظ الامتقید بلفظ غیر اللہ آیا ہے فرمایا خدای پاک نے

ام الهم الہ غیر اللہ. سبحان اللہ عما یشرکون۔

ترجمہ: یا ان کے لیے کوئی الہ غیر اللہ ہے پاک ہے اللہ اس چیز سے جو وہ شریک کرتے ہیں اتنی

یہاں سے یہی ثابت ہوا کہ الہ کو غیر اللہ جاننا شرک ہے پھر فرمایا

ان اخذ اللہ سمعکم و ابصارکم و ختم علی قلوبکم من الہ غیر اللہ یاتیکم بہ۔ (پ ۷ سورہ النعام آیت ۱۰۶)

ترجمہ: اگر لے لیوے اللہ تمہاری سماعتیں اور بصارتیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر تو کون الہ غیر اللہ ہے جو تم کو پھیر دیوے اتنی یہاں سے یہی معلوم ہوا کہ کوئی الہ غیر اللہ نہیں پھر فرمایا

لقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ (سورہ الاعراف آیت نمبر ۵۹)

ترجمہ: متحقق بھیجا ہم نے نوح کو طرف اس کی قوم کے پس کہا اس نے اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے الہ میں سے غیر اس کا اتنی اب قوم کا جواب سنئے

قال الملاء من قومہ انا لنرک فی ضلال مبین۔ (سورہ الاعراف آیت نمبر ۶۰)

ترجمہ: کہا ایک گروہ نے اس کی قوم میں سے متحقق ہم تجھ کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں اتنی

اب دیکھئے کہ گمراہ کہنے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت نوح نے کہا مالکم من الہ غیرہ۔ یعنی تمہارے الہ غیر خدا نہیں ہیں کیونکہ عینیت ان کے دہوں کے خلاف تھی پھر فرمایا۔

والی عباد اخاهم هوذا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ (پ ۱۲ آیت ۵۰ سورہ ہود)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے طرف قوم عاد کے ان کے بھائی یہود کو کہا اس نے اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے الہ میں سے غیر اس کا اتنی

اب ان لوگوں کا جواب سنئے

قال الملا الذین کفروا من قومہ انا لنرک فی سفاہۃ و انا لنظنک من الکاذبین۔ (پ ۸ آیت ۶۶ سورہ الاعراف)

ترجمہ: کہا ایک گروہ نے ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے تحقیق ہم تجھ کو نادانی میں دیکھتے ہیں اور البتہ البتہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے اٹھئی

یہ نادان کہنا اور جھوٹا بنانا بھی اسی عینیت کی وجہ سے ہے پھر فرمایا۔

والی ثمود اخاصہم صالحاً۔ قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ (پ ۱۲ آیت نمبر ۶۱ سورہ ہود)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو کہا اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے الہ میں سے غیر اس کا اٹھئی پھر فرمایا۔

والی مدین اخاصہم شعباً۔ قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ (پ ۱۲ سورہ ہود آیت نمبر ۸۴)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے طرف مدین کے ان کے بھائی شعب کو کہا اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے الہ میں سے غیر اس کا اٹھئی

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ سب انبیاء علیہم السلام اسی عینیت کی تعلیم کی وجہ سے نادان اور جھوٹے قرار پائے اور یہ امر مسلم ہے کہ تمام انبیاء تعلیم تو حید کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

وما ارسلنا من قبلیک من رسول الا نوحي الیہ الہ لا الہ الا۔ (پ ۱ سورہ الانبیاء آیت ۲۵۔)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجی ہم نے طرف اس کے یہ کہ نہیں ہے کوئی الہ مگر میں اٹھئی

پس ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کی تعلیم یہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ۔ قرآن مجید میں کلمہ تو حید بہت کثرت کے ساتھ جا بجا وارد ہوا ہے کہیں۔ لا الہ الا اللہ۔ کہیں لا الہ الا انت۔ کہیں لا الہ الا انا۔ کہیں لا الہ الا ہو۔ وغیرہ سب جگہ مطلب ایک ہی ہے۔

اور فن اصول میں قرآن وحدیث کے معنی لینے کے لیے یہ قاعدہ معین ہو چکا ہے کہ اگر ایک جگہ لفظ مطلق ہو یعنی بغیر کسی قید کے اور دوسری جگہ وہی لفظ مقید ہو یعنی کسی قید کے ساتھ اور دونوں جگہ حادثہ ایک ہی ہو تو امام اعظم اور امام شافعی دونوں کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔ پس بموجب اس قاعدہ کے جہاں جہاں لفظ الہ بغیر قید کے آیا ہے وہاں اس کو لفظ غیر اللہ کے ساتھ مقید ماننا چاہیے پس تمام کلام مجید میں جہاں الہ مطلق ہوگا وہ مقید بلطف غیر اللہ مانا جائے گا از روئے وجوب کے دونوں اماموں کے نزدیک۔ کیونکہ ایسے ہر موقع پر ایک ہی حادثہ ہے یعنی دفع شرک۔

اب ایک بات اور معلوم کر لینا چاہیے کہ کلمہ طیبہ کی عبارت سے الہون کی عینیت خدا کے ساتھ ثابت ہوئی لیکن اور چیزیں جو الہ نہیں کہلاتی ہیں ان کی عینیت باقی رہی۔ سو ان کی عینیت دلالت سے ثابت ہوئی اس طرح کہ جب ایک ممکن عین ہے تو ضرور دوسرا ممکن بھی عین ہے کیونکہ ایک ممکن اور دوسرے ممکن میں کچھ فرق نہیں ہے پس عبارت اور دلالت دونوں کے جمع کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ نہیں ہے کوئی موجود مطلق مگر خدا۔ اور مضمون کلمہ طیبہ کا اس بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ نہیں ہے کوئی شے موجود مطلق میں سے غیر خدا۔ پس موجود مطلق اور خدائے پاک کے۔

درمیان سے غیریت بالکل اٹھ گئی اور غیر خدا کے لیے ہرگز کوئی مصداق نہیں رہا جیسے کہ شریک باری کے لیے کوئی مصداق نہیں ہے پس شریک الباری اور غیر اللہ دونوں کا مفہوم واحد ہے۔ صرف لفظی فرق ہے کسی نے کہا شریک باری موجود نہیں ہے کسی نے کہا غیر اللہ موجود نہیں ہے مطلب ایک ہی ہے سمجھ کا پھیر ہے کیونکہ جب شریک خدا کا موجود نہیں ہے تو یہی نتیجہ نکلا کہ جو موجود ہے سو خدا ہے کیونکہ حقیقت میں غیر کا وجود ہی نہیں ہے اور یہ غیرت جو پائی جاتی ہے سو حقیقی نہیں ہے صرف اعتباری ہے اگر کہا جائے کہ لفظ الہ کلمہ طیبہ میں کیوں لایا گیا جس سے عبارت ودالات جمع کر کے ہر شے کی عینیت نکلی بلکہ ایسا لفظ لایا جاتا کہ دو چیزوں کے جمع کرنے کی ضرورت نہ ہوتی وہ اکیلا کافی ہوتا مثلاً لا شے غیر اللہ۔ یا لا موجود غیر اللہ۔ یا لا شے الا اللہ۔ یا لا موجود الا اللہ۔ تو جواب یہ ہے کہ لفظ الہ میں دو طرح کی شرکت پائی جاتی ہے اول گمان غیرت میں۔ دوم معبودیت میں۔ پس خدائے پاک کی بلاغت کی غیرت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ لفظ الہ خصوصاً ذکر کیا جائے تاکہ دونوں شرک نفی واحد سے ایک ہی ساتھ دفع ہو جائیں سو ان عبارتوں مذکورہ سے دونوں شرکوں کا نفی واحد سے دفع ہونا ممکن نہ تھا سو لے لا الہ الا اللہ۔ کے اور وہ آیت جس سے صرف عبارت ہی سے ہر شے کی عینیت سمجھی جاتی ہے۔ یہ ہے

هو الاول والاخر والظاهر والباطن. وهو بكل شيء
علیم۔ (پ ۲۷ سورہ الحدید آیت نمبر ۳)

ترجمہ: وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اہل

پس کوئی شے کسی قسم کی ہو اس عبارت سے چھوٹ نہیں گئی بلکہ سب اشیائے عالم انہیں چار میں منحصر ہیں وہ سب اس آیت میں جمع ہیں پس اس آیت سے ہر شے کی

عینیت صرف عبارت سے بغیر شامل کرنے دلالت کے بخوبی سمجھی گئی اب جان لیا کہ دراصل توحید یہی ہے اور اسی توحید سے ہر قسم کا شرک خفی ہو یا جلی دفع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کلمہ کا نام کلمہ توحید ہے کیونکہ توحید کے معنی لغت میں ہیں کثیر کو واحد یا کثرت کو وحدت گردانا اور اشراک کے معنی ہیں واحد کو کثیر یا وحدت کو کثرت گردانا۔ پس توحید کی ضد شرک ہے۔ اور شرک کی ضد توحید ہے۔ جب توحید ہوگی شرک نہ رہے گا۔ اور جب شرک ہوگا توحید نہ رہے گی دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور کلمہ توحید کا نام کلمہ طیبہ رکھنے کی وجہ بھی جان لو کہ لفظ طیبہ طیب سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خوشبو۔ اور کلمہ توحید سے عینیت اور وصال کی خوشبو سونگھی جاتی ہے اس لیے وہ طیبہ یعنی خوشبودار کہلایا اور کلمہ شرک سے غیریت اور فراق کی بدبو سونگھی جاتی ہے اس لیے اس کو خبیثہ یعنی بدبودار کہنا چاہیے اور اس بدبو کا ثبوت یہ ہے کہ فرمایا خدائی پاک نے انما المشرکون نجس۔ ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مشرک ناپاک ہیں اہل

پس جب مشرک ناپاک اور نجس ٹھہرے تو ضرور ان میں نجاست بھی ہونا چاہیے سو وہ نجاست شرک ہے اور نجاست میں بدبو کا ہونا ضرور ہے اور وہ کلمہ خبیثہ کلمہ طیبہ کے معنی کا ضد ہے یعنی لا الہ الا اللہ کے مقابل لا الہ الا غیر اللہ سمجھنا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ کس معنی پر ایمان رکھتا ہے اور یہ معنی تاویل کا نتیجہ ہے کیونکہ بعد تاویل کے عینیت باقی نہ رہی تو ضرور غیرت اس کی بجائے داخل ہوئی جس کو خدا نے رد کیا تھا وہ تاویل کے بعد پھر لوٹ آئی حالانکہ کلمہ طیبہ آیات محکمات قرآنیہ میں سے ہے اور محکم کو تاویل قبول کرنے سے انکار ہے اور اس میں تاویل جائز ہی نہیں ہے اور اس کے محکم ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ فرمایا خدائے پاک نے

هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب و

آخر متشابہات۔ (پ ۳ سورہ ال عمران آیت نمبر ۷)

ترجمہ: وہ خدا جس نے تجھ پر کتاب اتاری بعض اس میں آیات محکم ہیں اور وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں انتہی پھر متشابہ کے بارہ میں یوں فرمایا۔

وما یعلم قاریہ الا اللہ. والواستخون فی العلم۔ (پ ۳ سورہ ال عمران آیت نمبر ۷)

ترجمہ اور نہیں جانتا ہے تاویل اس کی سوائے اللہ کے اور راتین فی العلم انتہی

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں دو قسم سے خالی نہیں یا حکم ہیں یا متشابہ ہیں اور متشابہ کے معنی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں راسخ ہیں وہ بھی جانتے ہیں پھر فرمایا۔

هو الذی بعث فی الامین رسولاً منهم۔ (پ ۲۸ سورہ جمعہ آیت نمبر ۲)

ترجمہ: وہ خدا جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے انتہی یہ معلوم ہوا کہ خدائے پاک نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امیوں میں برپا کیا پس انہیں امیوں کو سب سے پہلے یہی کلمہ طیبہ تعلیم کیا گیا اور وہ جھٹ اس کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے۔

اجعل الالہۃ الہاً واحداً. ان هذا لشیء عجاب۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ کلمہ طیبہ متشابہ نہیں ہے کیونکہ اگر متشابہ ہوتا تو وہ نہ سمجھ سکتے کیونکہ وہ راتین فی العلم نہ تھے بلکہ امی محض تھے اور جب متشابہ نہ ہوا تو ضرور محکم ہے اور محکم کو تاویل قبول کرنے سے انکار ہے پس بہت بین طور سے واضح اور روشن ہو گیا کہ کلمہ طیبہ میں تاویل کرنا باطل ہے اب اس بیان سے ہر شخص دونوں معنوں

میں جس میں ایک با تاویل اور ایک بلا تاویل ہے فرق نکال سکتا اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے اور ہر اہل عقل اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ یہ بات تو پہلے ہی سے لوگوں کے خیالوں میں جمی ہوئی ہوتی ہے کہ خدا اور ہے اور سب چیزیں اور ہیں وہ ان کا غیر ہے یہ اس کی غیر ہیں لیکن یہ بات کہ سب کچھ وہی ہے جس کو فارسی میں ہمہ دوست کہتے ہیں بغیر اس کے کہ وہی بتلائے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ اس طرف کبھی کسی کا گمان بھی نہیں پہنچتا ہے سو خدا نے انبیاء علیہم السلام کے وسیلے سے توحید لوگوں کو پہنچائی تب معلوم ہوا کہ سب کچھ وہی ہے ورنہ یہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ تھی پس اگر یہی توحید نہیں ہے تو نبیوں کے بھیجنے کا کیا نتیجہ نکلا اور انھوں نے کوئی آسانی بات سکھلائی۔ یہ تو زمین والے پہلے ہی سے جانے بیٹھے تھے کہ خدا اور ہے اور عالم کا وجود اور ہے۔

اب نصاریٰ کے کفر کی وجہ بھی جان لینا چاہیے کہ وہ خدا کو تین کے عدد میں منحصر کرتے ہیں اس لیے کافر ہوئے جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ۔ (پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۳) ترجمہ: جتھق کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ خدا تیسرا ہے تین کا انتہی اب خدا کے اس قول پر نظر کرنا چاہیے۔

ما یكون من لجوی ثلثۃ الا هو را بعہم ولا خمسۃ الا هو سادسہم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا هو معہم۔ (پ ۲۸ سورہ الحجۃ آیت نمبر ۷)

ترجمہ: نہیں ہوتا ہے کوئی مشورہ تین مخصوصوں کے درمیان مگر یہ کہ خدا چوتھا ان کا ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے کوئی مشورہ پانچ مخصوصوں کے درمیان مگر یہ کہ خدا چھٹا ان کا ہوتا ہے نہ کمتر تین سے اور نہ زیادہ پانچ سے مگر یہ کہ خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے انتہی

اب غور کرنا چاہیے کہ لفظ ثالث اور رابع اور سادس یکساں الفاظ ہیں جن کے معنی تیسرا اور چوتھا اور چھٹا ہیں لیکن نصاریٰ کا خدا کے لیے ثالث کہنا عین کفر ہے اور اس آیت میں خدا کے لیے رابع اور سادس کہنا عین ایمان ہے اس کا یہی سبب ہے کہ نصاریٰ ثالث میں حصر کرتے ہیں اور یہاں رابع اور سادس میں حصر نہیں اول میں تفرقہ اور غیرت ہے اور دوم میں جمع اور توحید ہے پھر نصاریٰ خدا کو ایک فرد میں عیسیٰ علیہ السلام میں منحصر کرتے ہیں اس لیے کافر ہوئے جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ (پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۲)

ترجمہ: تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے

انتہی

المنحصر خدا کو کسی چیز میں منحصر کرنا نہیں چاہیے نہ تنزیہ محض میں نہ تشبیہ محض میں۔ تنزیہ بھی اس کی ایک صفت ہے اور تشبیہ بھی ایک صفت ہے۔ وجوب بھی اس کی ایک صفت ہے اور امکان بھی ایک صفت ہے پس امکان اور وجوب اس میں دو جہت سے پائے جاتے ہیں۔ وجوب بحیثیت ذات اور اطلاق کے پایا جاتا ہے اور امکان بحیثیت تعین اور تقید کے۔ پس خدائے پاک مجمع الکمالات ہے اور کمال مراد ہے دو متضاد صفتوں کے جمع ہونے سے جیسے محی اور میت، ہادی اور مضل، غفار اور قہار وغیرہ اسی پر واجب اور ممکن کو قیاس کر لینا چاہیے اگر اس کو محض تنزیہ میں گھیر دیا تو تشبیہ سے علیحدہ رہنے کے سبب کمال نہ ہوا اور اگر تشبیہ میں گھیر دیا تو تنزیہ سے علیحدہ رہنے کے سبب کمال نہ ہوا۔ کمال تو یہی ہے کہ دونوں طرف پھر دونوں سے الگ الان کما سکان اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے کسی میں منحصر اور مقید نہیں ہے جو لوگ محض تنزیہ میں خدا کو منحصر کرتے ہیں وہ اس طرح اس کی

تعریف کرتے ہیں کہ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ عرش میں نہ فرش میں نہ زمان میں نہ
 مکان میں نہ ذہن میں نہ وہم میں اور یہ جو خارج میں موجود ہے اس کا نام ماسوائی
 اللہ ہوتا ہے جسے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ خدا کہیں نہیں ہے اور جو موجود
 ہے سو اس کا غیر ہے۔ پھر صرف زبان سے یہ کہنا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے ایسی بات
 ہے جو کھٹکھٹاتی ہے نہ کہ دل میں بھی۔ ذلک قولہم بافواہم بمالیس فی
 قلوبہم ترجمہ۔ یہ ان کا قول ان کے مونہوں میں ہے جو ان کے دلوں میں نہیں
 ہے۔ اچھی

خوشا حال موحیدین کا جو اینما تولو فثم وجہ اللہ۔ کی سچ مچ تصدیق کرنے
 والے ہیں اور لا الہ الا اللہ کے معنی موافق اس قول کے کہ مصرعہ ہر کجائی نگر م روی
 ترائی یتیم در حقیقت یہی لوگ جاننے والے ہیں۔ اس تھوڑے سے بیان سے جو
 بموجب آیات قرآنی ہوا توحید کی تفتیح بخوبی ہو گئی اب توہمات کے جواب لکھے
 جاتے ہیں۔

باب سوم دفع توہمات میں

توحید کے بارہ میں چند توہمات کئے جاتے ہیں۔

اول وحدت وجود امر شرعی نہیں ہے بلکہ کشفی ہے

جواب اوپر کے بیان سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ توحید جو وحدت وجود ہی ہے

نہ دوسری چیز سب سے پہلے امر شرعی ہے مثل دیگر سمعیات شرعی کے جیسے بعث و حشر۔

عذاب و ثواب وغیرہ نہ فقط کشفی۔

دوم اس کا اعلان جائز نہیں بلکہ چھپانا واجب ہے

جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول توحید کو قول لا الہ الا اللہ سے امیوں

پر ظاہر کیا اور وہ بخوبی سمجھ گئے جیسا اوپر بیان ہو چکا۔ پھر دوسری بار نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے قول سے جو قسم کے ساتھ مومکد ہے توحید کو ظاہر کیا چنانچہ فرمایا۔

والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی

لہبط علی اللہ۔ ثم قرء علیہ السلام ہو الاول والاخر والظاهر والباطن

وہو بکل شئی علیم۔

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم ذول رسی

کے ساتھ سب سے نیچے والی زمین پر ڈالو تو البتہ وہ اللہ پر پڑے گا پھر نبی علیہ السلام

نے یہ آیت پڑھی۔ ہو الاول والاخر والظاهر والباطن۔ (پ ۲ سورۃ

الحید۔ آیت نمبر ۳) یعنی وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ

ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اتنی

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض سفلی یعنی سب سے نیچے والی زمین کو لفظ

اللہ کے ساتھ تعبیر کیا جیسے کلمہ طیبہ میں الہ بالفظ اللہ تعبیر کیا گیا ہے پس یہاں بھی مثل کلمہ

شریف کے عبارت اور دلالت دونوں جمع کرنے سے ہر شے کی عینیت ثابت ہے

اور قسم کھا کر کہا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اس بات سے سخت انکار رکھتے تھے تب

قسم کے ساتھ اس کو مومکد کیا اور نہ قسم کی ضرورت نہ تھی اور گواہی کے لیے خدا کے کلام

میں سے یہی آیت پڑھی جس میں ہر شے جمع ہے نہ کوئی اور دوسری آیت پھر تیسری

بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل مذکورہ قرآن مجید سے توحید کو ظاہر کیا جیسے۔ لو کان

لہما الہ الا اللہ لفسدنا۔ (پ ۷ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۲)

ترجمہ: اگر ہوتے آسمان اور زمین میں معبودان غیر خدا تو البتہ دے دونوں بگڑ

جاتے اتنی اور لو کان معہ الہ کما یقولون اذا لا بتغوا الی ذی العرش

سلا۔ ترجمہ: اگر خدا کے ساتھ معبودان غیر خدا ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو البتہ

دو معبود طرف صاحب عرش کے راہ ڈھونڈتے۔ یعنی مقابلہ کے لیے اتنی اور

لو کان ہولاء الہۃ ماور دوھا۔

ترجمہ: اگر ہوتے یہ بت معبودان غیر خدا تو دوزخ میں نہ جاتے اتنی اور

ماکان معہ من الہ اذا للذہب کل الہ بما خلق۔

ترجمہ: نہیں ہے خدا کے ساتھ کوئی معبود غیر خدا اور اگر ہوتا تو البتہ ہر معبود اپنی

خلق کو لے جاتا اتنی اور

لعلی بعضهم علی بعض۔

ترجمہ: اور البتہ غالب آتا۔ بعض ان کا بعض پر اتنی

اب دیکھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح توحید کا اعلان کیا اور

کہاں ثابت ہوا کہ اس کا چھپانا واجب ہے بلکہ یہ ثابت ہوا کہ توحید چھپانے کے

لیے نہیں بلکہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ خود خدا نے اپنے تمام انبیاء علیہم السلام

کی معرفت ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دلوائی۔ اور دیکھو پانچوں وقت کی اذانوں میں کس

طرح توحید کا وار بلند پکاری جاتی ہے کیا صرف عربی زبان میں پکارنا جائز ہے اور

دوسری زبانوں میں منع ہے۔

سوم اس کا اثبات دلائل سے نہیں ہو سکتا

جواب آیات دلائل ابھی نقل کر چکا ہوں دیکھو کس طرح دلائل کے ساتھ خدائے پاک نے توحید کا اثبات کیا ان آیات دلائل کی تفسیر کلمۃ الحق یا اس کے اردو ترجمہ وحدۃ الحق کی اصل دوم میں دیکھنا چاہیے اس مختصر میں گنجائش نہیں

چہارم اگلوں نے اس کو چھپایا ہے

جواب اول تو چھپانا مسلم نہیں اس لیے کہ ذوالنون مصری اگلوں میں تھے۔ منصور بھی اگلوں ہی میں تھے ان کا ظاہر کرنا اظہار من القس ہے اور اگر چھپانا مان بھی لیا جائے تو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ چھپانا واجب ہے بلکہ خوف ضرر نفس چھپایا ہو جو ظاہر کرنے والے کے لیے اس وقت منصور تھا جیسا کہ منصور کے لیے ہوا کیونکہ تبلیغ سوائے انبیاء کے کسی پر واجب نہیں ہے۔ مگر بعد سوال کے ہمیں کچھ گناہ لازم نہیں آتا۔ اور قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

امرونا ان ن تکلم الناس علی قدر عقولہم۔

ترجمہ: ہم پیغمبر لوگ حکم کئے گئے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کریں انہی

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسرار توحید میں ان کی عقلوں کے موافق بات کریں نہ کہ نفس توحید میں۔ بلکہ اس کے بارہ میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔

ترجمہ: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم قتال کریں لوگوں سے یہاں تک کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ

پنجم کلمہ طیبہ میں موجود مقدر ماننے اور الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کرنے پر

اجماع ہے۔

جواب اول تو اجماع کے لیے ضرور ہے کہ وہ امر جس پر اجماع ہوا امر شرعی ہو سو محکم میں تاویل کرنا امر شرعی کے خلاف ہے دوم یہ تاویل اور تقدیر اجماع کی حیثیت سے نہیں ہوئی۔ بلکہ پہلے ہی پہل کسی ایک شخص سے صادر ہوئی جس کسی سے ہوئی ہو پھر اس کی پیروی دوسرے نے کی اور اس دوسرے کی تیسرے نے کی یہاں تک کہ چلتے چلتے زمانہ حال تک پہنچی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ توحید کو لوگوں نے شرک جان لیا اور شرک کو توحید مان لیا یہاں تک کہ کلمہ کے جز و اول لا الہ الا اللہ پر صرف ایمان حکمی رہ گیا نہ کہ حقیقی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کلمہ کے دوسرے جز یعنی محمد رسول اللہ پر ایمان حقیقی حاصل ہے جس سے مسلمان بنے رہے کیونکہ اس کے ضمن میں جز و اول پر بھی ایمان حاصل ہو گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے مصرعہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

پس یاد رکھنا کہ کلمہ طیبہ میں چار فرض ہیں اول کلمہ کے لفظوں کا صحیح کرنا دوم اس کے مضمون پر علم حاصل کرنا۔ سوم اس کے مضمون کی تصدیق کرنا اور یہ اصل فرض ہے۔ چہارم اس کے مضمون کی تصدیق پر مضبوطی اور پختگی رکھنا اور یہ اس کی فرع ہے اگر مضبوطی اور پختگی فرض نہ ہوتی۔ تو اسلام سے پھر جانے والا واجب القتل نہ ہوتا۔ اور پہلا اور دوسرا فرض یعنی کلمہ کے لفظوں کا صحیح کرنا اور اس کے مضمون پر علم حاصل کرنا فرض بالتبع ہے کیونکہ تیسرا جو اصل ہے ان دونوں پر موقوف ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ پس جس نے اس کے مضمون ہی کو نہ جانا تو اس کی تصدیق کس طرح کرے گا اور پھر اس تصدیق پر پختگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اب ایک تمثیل پر اس کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ مصحف شریعت کی بسم اللہ ہے

اور محمد رسول اللہ اس کی سورۃ فاتحہ ہے اور عقائد حقہ اس کی سورۃ کہف ہے اور احکام
محکمہ اس کی سورۃ ناس ہے۔ پس جو شخص اس کی بسم اللہ سے واقف نہ ہو اوہ اس کی
سورۃ فاتحہ سے کیا واقف ہوگا پس اول کی غلطی تینوں پچھلوں میں اثر کرے گی۔ پس
عقائد اور اعمال بسبب ناواقف ہونے بسم اللہ کے کیونکر نفع دیں گے اس ناواقفیت
سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین
انعمت علیہم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وصل علی
سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین
امین ثم امین۔

شرک کے موضوع پر لا جواب کتاب

شرک کی حقیقت

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری
(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ:

فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کامونکے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسئلہ حاضر و ناظر میں اپنی نوعیت کی لا جواب کتاب

الشَّاهِدُ

مرتبہ:

حضرت علامہ عبد المنان صاحب اعظمی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم

تعارف

علمی حلقہ میں حضرت علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ الاقدس کی ذات عالی محتاج تعارف نہیں۔ موصوف نہ صرف یہ کہ مرکزی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے عظیم المرتبت مدرس اور قابل قدر مفتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک مقبول و مشہور خطیب اور صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ آپ کے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین کو ارباب علم و دانش نے ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور یہ تمنا کی ہے کہ دوبارہ بھی ان کے مضامین دیکھنے اور سننے میں آئیں۔ یہ کتاب ”الشاہد“ جیسے کہ خود بھی اپنے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہی ہے مسئلہ حاضر و ناظر میں لکھی گئی ہے جس میں عبدالرؤف جھنڈاگری کی کتاب ”تردید حاضر و ناظر“ کا مکمل و مفصل رد کر کے صحیح اور حق مسئلہ دلائل و براہین کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے جس کا بخوبی اندازہ پوری کتاب پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ زمانہ اگرچہ ناول اور افسانہ اور لہجہ شاعری کا زمانہ ہے مگر اس کے باوجود بھی موضوع کے اعتبار سے یہ خشک کتاب اپنی رنگین عبارتوں اور دلکش جملوں کی وجہ سے ہر ذوق کا انسان اس کو پڑھ کر ایک مخصوص قسم کی دلچسپی محسوس کرے گا اس طرح امید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقہ کی ہدایت و اصلاح کی باعث ہوگی۔ ہم مولانا موصوف کی کتاب مستطاب (جو ہر اعتبار سے قابل احترام ہے) نہایت فخر کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور آئندہ کے لیے بھی ان کی خدمت عالی میں پر خلوص درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی عظیم تصانیف اشاعت کے لیے عطا فرمائیں اور ہم اس کو علمی حلقہ میں بہترین معیاری

انداز میں پیش کر کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی دنیا سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ”مکتبہ لطیفیہ“ (براؤں شریف جس کا قیام ایک نہایت ہی پاک جذبہ کے ماتحت ہوا ہے) کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے اس طرح پر کہ وہ ہماری تمام مطبوعات کو منگوا کر بغور ان کا مطالعہ کرے اور ہمیں ان کے حسن و قبح اور صحت و فساد سے مطلع کرے تاکہ ہماری ترقی کی راہیں آسان سے آسان ترین ہوں جس سے ہم نہایت شکستگی طبیعت اور یقین و اعتماد کے ساتھ اسلام و سنت کی بیش از بیش خدمات انجام دے سکیں جو ہمارا حقیقی مطیع نظر و ماحصل زندگی ہے۔

آپ لوگوں کا مخلص خادم..... ناظم
مکتبہ لطیفیہ و رکن دائرۃ المصنفین براؤں شریف
پوسٹ سکھوئی۔ ضلع بہتھی (پولی)

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلی علی حبیبہ الکریم

نور و ظلمت، حق و باطل، کفر و اسلام کا معرکہ خدا جانے کب سے ہے اور کب تک رہے گا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اس لیے اگر دہائیہ اور اہلسنت و جماعت میں منازعت و مخالفت ہو تو بعید از

قیاس نہیں، یہ اگرچہ صحیح ہے کہ اسلام بھگڑا فساد نہیں سکھاتا۔ لیکن جب کوئی خواہ

نخواہ آمادہ پر خاش ہو تو ہمارا خاموش رہنا ناقابل معافی جرم ہے۔ مقام غور ہے کہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی عبارت لکھے جس سے متر

شح ہو کہ (معاذ اللہ) ”حضور اتنا غضبناک ہو جاتے تھے کہ خلاف واقع کہہ جاتے

“ اور ہم چپکے بیٹھے رہیں۔ حضور کی ذات گرامی کا ذکر ہو اور وہ کہے کہ ”دوست

وہی بہتر جس کی نظر عیب پر ہو۔“ اور ہم کچھ نہ بولیں۔ سرکار مدینہ کے پاک فضائل

کا ذکر ہو اور وہ اسے کفر کہے۔ اور ہم کان میں تیل ڈال لیں۔ تو عقیدت کشان

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارا یہ جرم ناقابل غفو ہوگا۔ یہی وہ شدید احساس ہے

جس نے حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب سے رسالہ خیر الانبیاء لکھوایا اور جس

کے ماتحت ہم بھی متوکل علی اللہ ”فاضل رحمانی“ مولوی عبدالرؤف جھنڈے مگری

کی کتاب تردید حاضر ناظر کا جواب لکھنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ اگرچہ خود

مولوی عتیق الرحمن صاحب اس یادہ گو کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اس

سلسلہ میں رد و قدح کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آج سامان طباعت کی اتنی

فروائی ہے کہ ہر شخص بلا تکلف معقول و نامعقول جو تحریر چاہتا ہے لکھ کر شائع کر دیتا

ہے۔ اور کوئی زبان پکڑنے والا نہیں۔ بنا بریں فاضل رحمانی اگر بے حیائی پر کمر

باندھ لیں اور اپنی نامعقولیت سے دنیا کے گندے لٹریچر میں اضافہ کرتے رہیں تو

ان کی زبان کون روکنے والا ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ کہیں عوام ایسی موٹی

تازی کتاب کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیں کہ اس ڈھول میں پول نہیں ہے ہم نے ایک مختصر

مگر جامع رسالہ جس میں ”تردید حاضر ناظر“ کی تمام عیاریوں کی پردہ دہری کی

گئی ہو لکھنا مناسب سمجھا۔

اس کتاب میں ہمارا طریقہ بحث: چونکہ اختصار ہمارا راجح نظر تھا اس

لیے تردید ”حاضر ناظر“ کا تجزیہ ہم نے حسب ذیل طریقہ پر کیا ہے۔

۱۔ ”تردید حاضر ناظر“ کے وہ متفرق دلائل جن کو کسی اصول کے تحت لایا جا

سکتا ہے ان کا یکجائی اور اجمالی جواب باب فضائل کے چند اہم اصول کے ضمن

میں دے دیا گیا ہے، اور قصد انکار اور غیر مفید طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ وہ تحریریں جن کو ”خیر الانبیاء“ کے پہلے ٹکڑے کی رد میں لکھا ہے۔ ان کا

جواب ذرا تفصیل سے دیا گیا ہے، اور ہر ضروری آیت و حدیث پر مفید بحث کی

گئی۔ اس بحث کو ”حاضر ناظر اور فاضل رحمانی“ اور اس کے بعد عنوانوں میں

دیکھا جائے۔

۳۔ وہ واقعات اور حوادث جن کو علم غیب کے معارضے کے طور پر پیش کیا گیا

ہے ان سب میں تفصیل کو چھوڑ کر صرف ایک مضبوط جواب پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۴۔ وہ آیتیں جن سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ان کے مقابلہ میں وہ آیتیں

لکھی گئی ہیں جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے، اور ان آیتوں میں باہم تطبیق دی

گئی ہے۔

۵۔ ان کے علاوہ وہ متفرق باتیں جن کا تعلق مسئلہ حاضر ناظر سے کسی نہ کسی

طرح بھی ہو حتی الامکان ان سے بھی عہد برا ہونے کی کوشش کی گئی ہے، کہیں حاشیہ میں اور کہیں خود متن میں اس قسم کی مفید بحثوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔

اور یہ سب اس لیے کیا گیا ہے کہ حسب ذیل سوالوں پر روشنی پڑ جائے۔

حاضر و ناظر کے معنی کیا ہیں؟ اس کا ثبوت غیر خدا کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟ علم غیب کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اور اس کا ثبوت بھی غیر خدا کے لیے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اسی لیے ہم نے تمام دیگر فروعی مسائل کو مثلاً قیام، میلاد، عرس وغیرہ جن سے تردید حاضر و ناظر میں تعرض کیا گیا ہے قصداً چھوڑ دیا ہے کہ خواہ مخواہ بحث طویل نہ ہو جائے۔ اگر وقت نے مساعدت کی تو پھر کبھی۔

فاضل رحمانی کی ناشائستہ حرکتیں: فاضل رحمانی نے جہاں اور تمام مذہبی حرکتیں کی ہیں وہاں مولوی عتیق الرحمن صاحب پر کچڑ اچھالنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں، اور ان کے دامن فضل و کمال پر دھبا لگانے کی مکر وہ کوشش کی ہے۔ چنانچہ متعدد خود ساختہ غلطیاں ان کی ذات کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور اپنے دفور علم کی بڑی ڈیک ماری ہے، لیکن ان کی کتاب دیکھنے کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ۔

اتنی نہ بڑھا پا کئی داماں کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ لے "اکر ہرا" کی شکست کے بعد آپ ہر

اگر ہر مطلع ہستی مولانا عتیق الرحمن صاحب کا وطن مالوف ہے جہاں کی تفریب میں مولوی عبد الرؤف سے مولانا کی بالمشافہ گفتگو اسی موضوع پر ہوئی اور مولوی عبد الرؤف صاحب بند ہو گئے پھر گھر جا کر یہ سلسلہ تحریر شروع کیا۔

انسان طریقہ سے اپنی خفت دور کر رہے ہیں، لیکن دنیا آپ کو خوب جانتی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ ی پوش

من انداز قدت رانی شناسم

در نہ جو شخص "فلا یظہر علی غیبہ احد" پورے جملہ کو مستثنیٰ منہ بتائے وہ ہم پر نحوی غلطی کا الزام دھرے جو خود داعیہ اور وقتیہ کو سمجھ نہ سکے وہ ہمیں منطقی غلطی کا مرتکب بتائے۔ جو ہمارے معارضے کو بھی نہ سمجھ سکے وہ ہمارے "معانی و کلام" کی غلطی نکالے۔ جو ایک ہی صفحہ میں کئی کئی متعارض باتیں کہے وہ ہم کو متعارض کا مجرم بتائے۔ جو عبارتوں کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لے وہ ہم کو خائن کہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ۔

سورج میں لگے دھبا قدرت کے کرشمے ہیں

بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

آپ بڑی مسکیت سے کہتے ہیں، ہم کو بڑی گالی دی گئی ہے، ہم اس کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اس وقت اتنے بھولے بن گئے ہیں کہ بے اختیار آپ کے "نقشیں مراد آبادی" چہرے پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

دل میں یہ آ رہا ہے کہ کہہ دوں یہ ان سے میں

ان نقشہائے ناز کے قربان جائے

ہم کو معصوم ہونے کا دعوے نہیں ہے، کہیں کہیں ہمارا انداز بیان ضرور سخت ہو گیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسا وقت اب نہیں ہے کہ لوگ آپ کی شوخیوں کو دعا سمجھیں اور ہم کو یہ کہنا پڑے۔

تم مجھے ہاتھ اٹھا کر جو اداسے کو سو

دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دعا دیتے ہیں

آج تو دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ آپ ہم سے زیادہ سخت کلام ہیں۔ اس لیے یہ جامہ تقدس تو رہنے دیجئے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع
خود راز عملہائے کلو ہیدہ بری دار
اگر آپ کو اتنا ہی خیال تھا تو کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو معلوم نہیں۔

سنجھ کر میکدے میں پاؤں رکھنا مولوی صاحب یہاں بگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں پھلجھڑی: مولوی عتیق الرحمن صاحب سے فاضل رحمانی کو یہ شکوہ ہے کہ وہ اردو بہت غلط لکھتے ہیں، بجز اللہ فاضل رحمانی سے تو اچھی ہی اردو لکھ لیتے ہیں تاہم ہم کو اہل زبان ہونے کا دعوے نہیں۔ البتہ یہ جھنڈے مگر کے موتی رو لئے والے شاہد طناز جو خاص دہلی اور لکھنؤ سے ڈھل کر چلے آ رہے ہیں۔ ان کی گل انشائیاں ملاحظہ ہوں۔

”نماز جنازہ آپ کا کیوں ادا کیا گیا۔ سب چیز کشف ہو گیا۔ تو جیہ آپ نے ہضم فرمالیا۔“

مذکورہ نوٹ میں تمیز نہیں۔ اور کیوں نہ ہو اس میں تو آپ ہمیشہ سے ماہر ہیں (فیہ مافیہ) محاورہ ملاحظہ ہو۔

”عوام بھیڑیا کا خیال۔ واحد و جمع ملاحظہ ہو، دو احتمال لکھا ہے۔ لفظ ”میں“ کا کیا بر محل استعمال ہے۔ اس سوال میں کسی طرح مفہوم نہیں۔ کتنا صحیح جملہ ہے؟ مدرسہ کا نظام چشم دیدہ دیکھ کر۔ ایک فارسی لفظ کی تعریب ملاحظہ ہو ”دو نما“ ایک اور پر لطف جملہ ہے۔ ایسی گندی جگہ شیاطین اور ارواح خبیثہ کی حاضری کے ہیں۔

مختصر یہ کہ جہالت و نادانی کے ہر میدان میں آپ سب سے آگے ملیں گے۔ لیکن دعوے کا یہ عالم ہے کہ ثریا سے نیچے نہیں اترتے ہیں۔ حد ہو گئی ہے خوش فہمی کی کہ اغلاط کتابت کو بھی ہمارے ہی سر تھوپتے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے۔

آن کس کہ نداند بداند کہ بداند
درجہل مرکب ابد الدھر بماند

اسی سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب فاضل رحمانی ایسے ہیں تو ان کی کتاب کیسی ہوگی۔

اپنی باتیں: یہ کتاب اب سے تقریباً سات سال قبل جب میں تلشی پور میں تھا لکھی گئی تھی۔ خود میں اس کے مصارف اشاعت برداشت نہیں کر سکتا تھا اور محرک نے تحریک تک ہی اپنا فریضہ محسوس کیا اس لیے میں بھی اس کی اشاعت کے خیال سے فارغ ہی ہو چکا تھا، لیکن میرے عزیز مولوی محمد حنیف بستوی نے اس کو پڑھا پسند کیا اور مکتبہ لطیفیہ کے ارباب بست و کشاد سے تحریک کی اس طرح یہ کتاب منصہ شہود پر آ رہی مجھے نظر ثانی کا کما حقہ موقع نہ ملا ورنہ لہجہ کی تلخی کو حتی الامکان کم کرتا۔ فقط

عبد المنان اعظمی دارالعلوم اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ

باب فضائل کے چند اہم اصول

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ”مسئلہ حاضر و ناظر“ علم غیب، یا جسد اطہر کے سایہ ہونے، نہ ہونے کی بحث یا اس قسم کے اور دیگر مسائل ان کا تعلق عقیدے سے بایں معنی ہرگز نہیں کہ جس طرح حضور کی رسالت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح ان کا بھی اقرار فرض ہے، بلکہ ان کا تعلق فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل سنت و جماعت کثر ہم اللہ تعالیٰ کے جو بنیادی اصول ہیں انہیں اجمالاً عرض کر دیں، کہ مسئلہ حاضر و ناظر کی ساری بحث جو فاضل رحمانی کی کثوت سے بے اصولی اور انتشار کی نذر ہو گئی ہے۔ ایک منظم شکل میں سامنے آجائے۔ اصول یہ ہیں۔

۱۔ جس طرح تمام عبادات و اعمال میں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا ماننا فرض ہے، اور اگر یہ ثبوت ضروری دینی ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ اس کے ماننے والے کافر و مشرک ہونا تو بڑی بات ہے وہ پکا مسلمان ہے۔ اور اس کو مشرک یا گمراہ کہنے والا خود بد دین ہے، جیسے نفل نماز، نفل روزے۔ اسی طرح تمام فضائل متعلقہ نبوت میں بھی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جیسے ”اسری“ اس کا منکر کافر (اور یہی عقیدہ بھی ہے) اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ جیسے مشک سے زیادہ خوشبودار پسینہ ہونا۔ اس کا ماننے والا پکا مسلمان اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا خود گمراہ۔

۲۔ قرآن عظیم ذی وجہ کثیرہ ہے۔ اور ہر وجہ کی بنا پر صحیح ہے۔ تاوقتیکہ وہ وجہ باہم متضاد نہ ہوں۔ اگر کسی وجہ سے کوئی استدلال کرے تو صرف یہ کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا کہ اس آیت میں دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اور ازا جائے الاحتمال بطل الا

استدلال۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ جو باب فضائل میں مقبول ہے۔ ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہر وصف جمیل میں سارے عالم میں بے مثال ہیں۔ اس لیے ان کے فضائل کی جانچ کا معیار بھی عام انسانوں سے بلند ہوگا۔

۴۔ وہ معیار یہ ہے کہ آپ کی کسی فضیلت سے بحث کرتے وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فضیلت عام عقول کے خلاف ہے۔ اس لیے غلط ہے۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ عقل کامل کے نزدیک ایسا ممکن ہے یا نہیں۔ تشریح: مذکورہ بالا چاروں اصول گو بجائے خود بہت واضح اور مسلم ہیں جن کا انکا کوئی صاحب عقل سلیم نہیں کر سکتا۔ لیکن مزید وضاحت کے لیے ہم ضروری تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

فضائل کی قطعیت اور ظنیت: فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو قسمیں جنہیں ہم نے نمبر اول کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ان کا ثبوت اسلام کی پوری تاریخ سے ہوتا ہے۔ خود واقعہ معراج ہی میں یہ تقسیم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسری کہ برون آنحضرت است از مکہ تا مسجد اقصیٰ ثابت است بکتاب اللہ کہ منکر آں کافرست۔ و از آنجا بآسمان برون کہ معراج است از احادیث مشہورہ کہ منکر آں مبتدع و فاسق و مخدول است و ثبوت دیگر از جزئیات عجائب و غرائب احوال باخبار است کہ منکر آں جاہل و محروم است۔ (مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۷۵)۔

اسراء کہ حضور کو مکہ سے بیت المقدس تک لے جانے کا نام ہے، قرآن سے

ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، اور وہاں سے آسمان پر جانا جس کو معراج کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت مشہور حدیثوں سے ہے اس کا منکر بدعتی فاسق و سوا ہے۔ اور دیگر جزئیات اور عجیب و غریب حالات کا ثبوت ایسی خبروں سے ہے کہ ان کا منکر جاہل و محروم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی واقعہ معراج میں جو حضور کے فضائل میں بڑے بلند مرتبے پر ہے۔ کچھ کا منکر کافر کیونکہ اس کا ثبوت نص قرآنی اور دلیل قطعی سے ہے۔ اور کچھ کا ثبوت چونکہ اتنا قطعی نہیں ہے، اس لیے اس کا منکر محروم اور جاہل وغیرہ ہے کافر نہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ اقرار معراج باب عقائد سے ہے اس لیے اس کا ثبوت دلیل ظنی یا اخبار احاد سے نہیں ہو سکتا۔ اور معراج کے دیگر جزئیات کو ماننا کفر ہے۔ اگر کوئی پیدا ہوا تو فاضل رحمانی جن کو عقائد و فضائل میں تمیز نہیں۔ اور اس جہالت پر آپ کو فخر بھی ہے گویا آپ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

کودا تیری مجلس میں کوئی دھم سے نہ ہو گا

جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہو گا

اسی طرح مسئلہ حاضر و ناظر بھی جو فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک فضیلت ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دلیل ظنی کافی ہے۔ دلیل قطعی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہے، اگر اعمال سے ہے تو فرض بن جاتی ہے، اور اقراریات سے ہے تو ایسا عقیدہ بن جاتا ہے جس کا انکار کفر ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے فرض مانو۔ پھر دلیل تلاش کرو۔ یا پہلے عقیدہ تسلیم کر لو پھر حجت ڈھونڈو۔ ہمارے ”فاضل رحمانی“ مسئلہ حاضر و ناظر کو باب عقائد سے مانتے اور دھڑا دھڑا دلیل قطعی کے طالب ہیں۔ جیسا کہ ان کی اس

دلت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت میں احتمال نکال کر کہتے ہیں کہ استدلال ختم ہو گیا۔ ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ ”مسئلہ حاضر و ناظر“ باب عقائد سے ہے و من ادعی فعلیہ البیان اگر فاضل رحمانی کو دعویٰ ہے تو دلیل لائیں۔ تعجب ہے کہ جو علم سے اتنا کورا ہو کہ فضائل و عقائد کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھ سکے وہ اپنے دماغ کو منطق اسلامی کا مخزن بتائے، علمی مسائل پر قلم اٹھائے۔ افسوس

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شکاری

اب آبدئے شیوہ اہل نظر گئی

قرآن کی مختلف وجہیں اور ان سے استدلال: اس امر کی شہادت کہ قرآن عظیم کی ایک ایک آیت میں مختلف معانی ہیں اور ہر ایک سے استدلال جائز ہے۔ پوری تاریخ اسلام دیتی ہے۔ اور خود خبر صادق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ سے بھی قرآن کے کثرت معانی کا ثبوت ہوتا ہے ابو نعیم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

القرآن ذو وجوہ کثیرة فاحملوه علی احسن وجوہہ۔

قرآن عظیم بہت وجوہ والا ہے۔ تو سب سے ٹھیک وجہ پر اسے حمل کرو۔

فریابی نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

لکل اية ظہر و بطن و لکل حرف حد و مطلع۔

ہر آیت کے ظاہری معنی ہیں اور باطنی اور ہر حرف کے لیے حد و مطلع ہیں۔

عن ابی السرداء انه قال لا بفقة الرجل کل الفقه حتى يجعل للقرآن وجوہا۔

حضرت ابو درداء فرماتے ہیں آدمی اس وقت تک فقیہ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کو قرآن کی کثیر وجوہ پر عبور حاصل نہ ہو جائے۔

وقال بعض العلماء لكل آية ستون ألف فهم.

بعض عالموں کا قول ہے ہر آیت کے ساتھ ہزار معانی ہیں۔

وقال علي رضي الله عنه لو شئت لا وفرت من القرآن أربعين

بغيرا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو قرآن کی تفسیر سے

چالیس ادنیوں کو لادوں۔

القرآن ذو وجوه وهو حجة بكل وجهة مالم تتنافا.

قرآن کی کثیر وجہیں ہیں اور جب تک وہ باہم منافی نہ ہوں سب سے

استدلال جائز ہے۔

يؤكد ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة كي تفسر

کی گئی ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آیات قرآنی میں وجوہ کثیرہ اور معانی وافرہ

ہیں۔

جميع العلم في القرآن لكن

تناصر عنه افهام الرجال

اور یہ امر کہ ہر درجہ تک ہے اس کی تصریح علامہ زرقانی شارح مواہب لدنیہ

نے اپنی کتاب زرقانی میں کی، اور عملاً تو ساری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے

چنانچہ علمائے امت کے باہمی اختلاف اور ایک آیت سے متعدد استدلال اس کی

واضح نشانی ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیت ثلاثہ قسوء سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

طہر مراد لیتے ہیں اور کروڑوں مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے عورت کی عدت طہر

قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف حنفیہ حیض مراد لے کر عدت حیض قرار دیتے ہیں۔

اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر آیت کے یہ دونوں احتمال قابل

استدلال نہ ہوتے، تو سرے سے حنفیہ اور شافعیہ کا یہ استدلال ہی باطل ہو جاتا۔

اور آج غیر مقلدین بھی کسی آیت اور حدیث سے کوئی استدلال قائم نہیں کر سکتے،

کیونکہ ہر آیت وحدیث کے علماء نے مختلف معانی اور احتمالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً

مذکورہ بالا آیت سے ہی غیر مقلدین اپنا مسلک خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ثابت نہیں

کر سکتے کیونکہ ان کے مدعا کے خلاف احتمالات اس آیت میں موجود ہیں۔

رفع شک: یہیں سے فاضل رحمانی کی ان تمام مذہبی حرکتوں کا رد بھی ہو

گیا جو انھوں نے حاضر و ناظر کی بحث میں اس حیثیت سے کی ہیں کہ ہر دلیل کے

مقابلہ میں کوئی نہ کوئی احتمال نکال دیا ہے۔ اور یہ لکھ دیا ہے کہ چونکہ اس آیت یا

حدیث کے صرف وہی معنی نہیں ہیں جو ثابت نے تحریر کئے ہیں بلکہ دیگر احتمالات

بھی ہیں۔ اس لیے یہ دلیل ہم کو کچھ بھی مضرت نہیں۔ مثلاً وہ شاہد اکے معنی کی تحقیق

کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے ہوں جب بھی ہم کو مضرت

نہیں۔ کیونکہ شاہد کے اور بھی معنی آئے ہیں جیسے دن کو مشہود اور امتیوں کو شاہد

وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس لیے حاضر و ناظر کے احتمال کے ساتھ ہی ان دیگر معانی کا

بھی احتمال ہے۔ اور اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

لیکن جب یہ بات ثابت ہو چکی اگر چند احتمال قرآن مجید کی کسی آیت میں

ہوں تو ہر ایک سے استدلال کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں تعارض نہ ہو، پھر معنی

حاضر ناظر کے بنا پر اہل سنت اگر حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں تو صرف دیگر احتمال

کی وجہ سے اس کا انکار کیونکر ممکن ہے؟ جیسا کہ فاضل رحمانی نے جگہ جگہ اس پھوس

کی نئی سے آڑ لی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ لیکن ہم یہ کب کہتے

ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ماننا فرض ہے یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ جس

کو اس کا جتنا حصہ ملتا ہے حضور سے اس کی محبت اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

دہد حق عشق احمد ہندگان چیدہ خود را

بخا صاں شاہ می بخشدے نوشیدہ خود را

اسی طرح علم الانسان کی بھی مختلف تفسیریں نقل کر کے فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ یہ کوشش کی ہے کہ چونکہ علم کے کئی معنی ہیں اور انسان سے بھی مفسرین نے ایک سے زیادہ مراد لی ہے۔ اس لیے علم الانسان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی پر استدلالنا درست نہیں۔ اس کا دو ٹوک جواب تو یہی ہے کہ قرآن ہر احتمال کی بنا پر قابل احتجاج و استدلال ہے۔ اس لیے کسی احتمال کی بنا پر اگر کوئی شخص حضور کی وسعت علمی کا قائل ہو تو اس کو مشرک و کافر بنانے سے پہلے اس مفسر کو کافر و مشرک قرار دیجئے جس نے یہ تفسیر کی ہے۔

فاضل رحمانی نے آیت ”وعلم الانسان ما لم يعلم“ کی کئی تفسیریں لکھی ہیں کسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور بیان سے مراد ماکان و یکون ہے تو کسی میں انسان سے مراد حضرت آدم اور بیان سے مراد اسماء کل شیء اور کسی میں انسان سے مراد جنس انسان اور بیان سے مراد منطق فصیح، لیکن پہلی تفسیر کو کمزور ثابت کرنے کے لیے عجب عجب حرکتیں کی ہیں کہتے ہیں کہ چونکہ پہلی تفسیر کو مفسروں نے لفظ قبل سے بیان کیا ہے لہذا ضعیف۔ تمام احتمالات کے اخیر میں لکھا ہے لہذا ضعیف۔ اس کو بطریق احتمال بیان کیا ہے۔ مستند مفسروں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے، لہذا ضعیف۔ اور یہ تمام مذہبی حرکتیں اس لیے کی گئی ہیں کہ پہلی تفسیر کو مولانا عتیق الرحمن صاحب نے نقل کیا۔ لیکن خود ہی بری طرح بے ایمانی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیونکہ اگر لفظ قبل وجہ ضعف ہے تو وہ تفسیر جس کو آپ نے بڑے طمطراق سے صحیح کہہ کر پیش کیا ہے اس کو بھی صاحب خازن نے لفظ قبل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے وہ بھی مرجوح ہوئی۔ لیکن شاید آپ نے خازن دیکھتے وقت بے ایمانی کی ٹینک لگا لی تھی۔ اس لیے آپ کو نظر نہ آیا۔ اگر اخیر میں بیان کرنا وجہ ضعف ہے تو علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں حضرت آدم والے قول کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ جس کو آپ معتبر کہہ چکے ہیں۔ پھر کہیے آپ سچے؟ آپ کا قاعدہ سچا؟ یا امام رازی؟ اور اگر علماء تفسیر کا اس احتمال کو ذکر نہ کرنا وجہ ضعف ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں صرف حضرت آدم والا قول نقل کیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یونہی فاضل رحمانی نے آیت ”یوم یجمع اللہ الرسل“ کے تحت لکھا تھا کہ اگر حضور حاضر و ناظر ہیں اور اعمال امت جانتے ہیں۔ تو جب قیامت میں سب رسولوں کو جمع کر کے خدا پوچھے گا تو لا علم لنا (ہمیں کوئی علم نہیں) کیوں فرمائیں گے۔ مولوی عتیق الرحمن صاحب نے رسالہ ”خیر الانبیاء“ میں مدارک کے حوالہ سے ایک تفسیر نقل کی۔

قالوا ذلک نادبا ای علمنا ساقط مع علمک فکانہ لا علم لنا۔
انبیاء یہ جواب ادب ادا دیں گے کہ ہمارا علم تو تیرے علم کے مقابلہ میں نیچ ہے گویا ہم کو کوئی علم نہیں۔

فاضل رحمانی نے یہاں بھی کئی تفسیریں نقل کی ہیں۔ لیکن جب یہ اصول طے ہو گیا کہ قرآن ہر وجہ کی بنا پر صحیح ہے۔ تو اس کا ہمارے مدعی پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ہمارا استدلال کثرت احتمال کی بنا پر ظنی ہوگا۔ یعنی اس کا انکار کفر نہیں۔
یہاں بھی فاضل رحمانی نے انتہائی بے وقوفی سے رائج مرجوح کی بحث پیدا کی ہے کہ مدارک میں اس کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ اول و اخیر کی بحث ایک ایسی عکتہ آفرینی ہے۔ جو جھنڈے نگر کے مدرسہ میں تو کارآمد ہو سکتی ہے اور جگہ نہیں۔

فضیلت سید المرسلین: جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ایسی کوئی نظیر

(بقیہ) بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ بیضاوی انسان مطلق دالی تفسیر ہے اور بقیہ کو چھوڑ دیا ہے امام بنوی۔ خازن، مدارک، تفسیر کبیر، اور حسینی، سواطع البہام میں تینوں اقوال منقول ہیں۔ آپ کے بیان کردہ اصول پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر حضرت آدم والے قول کے علاوہ سب ضعیف۔ بیضاوی کی تفسیر پر انسان مطلق قوی اور بقیہ دونوں ضعیف اور بقیہ تفسیر پر سب قوی، کیا گورکھ دھند ہے بندہ پر در۔ سخن شناس نئی دہرا خطا ۱۱ ج ۱ ص ۱۲

علاوہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی شخص دنیا میں آنے سے پہلے بھی احساس و ادراک کی اس بلندی پر بوجس کا دسواں حصہ بھی دوسروں کو دنیا میں آنے کے بعد نہ ملے۔ اور دنیا میں آنے کے بعد بھی بہت سے انسانی خواص اور لوازم سے پاک و صاف ہو۔ اور جب دنیا سے تشریف لے جائے جب بھی اس شان بے مثالی کے ساتھ کہ ماضی و مستقبل کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکے۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں یہ تمام حامد بیک وقت جمع ہیں۔

رسول عربی دنیا میں آنے سے پہلے: امام احمد، بیہقی، ابو نعیم، ترمذی نے روایت کی اور حاکم نے صحیح کہا۔ لفظ ترمذی کے ہیں۔

قالوا يا رسول الله ﷺ متى و جئت لك النبوة قال و ادم بين الروح والجسد۔

صحابہ نے عرض کیا سرکار آپ کو منصب نبوت کب دیا گیا آپ نے فرمایا اس وقت جب کہ حضور آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ حضور اپنی نبوت اس وقت بیان کرتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا۔ آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کے اگر صرف یہ معنی ہوں کہ اس وقت علم الہی میں آپ کی نبوت طے تھی، کہ آئندہ چل کر آپ نبی ہوں گے تو اس میں حضور کی کون سی مدح نکلتی ہے اور اس تخصیص کے کیا معنی کہ آدم کا پتلا جب بن رہا تھا اس وقت بھی میں نبی تھا۔ علم الہی میں تو ہر نبی کی نبوت ازل سے طے شدہ ہے۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہوں کہ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا منصب جلیل اسی وقت سپرد کر دیا گیا تھا۔ اور آپ اسی وقت سے اس مرتبہ پر نازل تھے۔ البتہ مادی دنیا میں اس کا

ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

آپ کا وجود گرامی دنیا میں: نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دارانس فجاءت امہ بقارورة تجمع فيه عرقه فسألتها النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقالت نجعله فی طيبنا يا رسول الله وهو اطيب الطيب۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر سو گئے۔ حضرت انس کی ماں ایک شیشی لائیں اور اس میں پسینہ جمع کرنے لگیں۔ حضور نے پوچھا کیا کر رہی ہو۔ عرض کی ہم اسے اپنے عطر میں ملائیں گے اور یہ تو ہماری بہترین خوشبو ہے۔

اخرج حکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن له ظل لا فی الشمس ولا فی القمر۔

حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو چاندنی میں نظر آتا تھا نہ دھوپ میں۔

سیدنا عبد اللہ بن مبارک، حافظ علامہ محدث ابن جوزی رحمہم اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

لم یکن لرسول الله ظل و کذا فی المدارک عن عثمان۔

حضور کے سایہ نہ تھا۔ ایسی ہی مدارک میں حضرت عثمان سے مروی ہے۔

پردہ فرمانے کے بعد: ابو داؤد، ابن ماجہ نے روایت کی اس ابن اوس رضی اللہ عنہ سے۔

قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ايامکم يوم الجمعة فاکثر و اعلى من الصلوة فيه فان صلواتکم معروضة علی

قالوا يا رسول الله كيف تعرض صلواتنا عليك و قد اومت قال
يقولون بليت قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بہترین دن جمعہ ہے۔ اس دن
مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کہ تمہارا درود سلام میری خدمت میں پیش کیا جاتا
ہے۔ لوگوں نے عرض کی حضور ایسا کیسے ہو سکتا ہے آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں
مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ نے انبیاء کے جسم کو زمین پر
حرام فرمادیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے۔

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حي
برزق۔

اللہ نے انبیاء کا جسم زمین پر حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور
ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

بزاز اور ابن عدی نے روایت کی اور بیہقی نے صحیح کہا۔

الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔

انبیاء کرام زندہ ہیں اپنی اپنی قبروں کے اندر نماز پڑھتے ہیں۔

پھر دوسری روایت ہے۔

ان الانبياء لا يتركون في قبورهم بعد اربعين ليلة لكن يصلون بين
يدي الله حتى ينفخ في الصور۔

انبیاء اپنی قبروں میں چالیس دن کے بعد نہیں چھوڑے جاتے۔ مگر یہ کہ اپنے
رب کے حضور تاقیامت نماز پڑھیں۔

تشریح: مذکورہ بالا احادیث میں ابن ماجہ کی روایت فضیلتی اللہ حی برزق

اور بیہقی کی روایت الانبياء احياء فی قبورهم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
حیات طیبہ پر عبارت النص ہے اور ابوداؤد کی روایت جس کے شواہد بکثرت موجود
ہیں۔ حیات نبوی پر التزام دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ حضور نے درود بھیجنے کو کہا۔ اس
پر صحابہ کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ حضور وفات کے بعد کیسے سلام قبول فرمائیں
گے۔ حالانکہ آپ کا جسد اطہر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو گا اور روح خدا معلوم کہاں ہو
گی۔ اس پر ارشاد ہوا کہ تم عام لوگوں کی طرح ہماری موت نہ سمجھو۔ روح تو خیر
سب کی محفوظ رہتی ہے، ہمارا جسم بھی زمین کی دستبرد سے محفوظ ہے۔ ہم کو پردہ
فرمانے کے بعد ایسا ہی سمجھو جیسا اس حیات میں۔

انبیاء کو بھی اجل آتی ہے مگر ایسی کہ فقط۔ آتی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے
چوتھی حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا کہ انبیاء اپنے مزارات مقدسہ میں
چالیس دن کے بعد نہیں رہتے، اور اپنے رب کے حضور نماز پڑھتے ہیں۔ قبر میں نہ
رہنے کے یہ معنی سمجھنا کہ آپ مردہ ہیں۔ معاذ اللہ وہی خیال کرے گا جو سڑی اور
پاگل ہو۔ اور جس کا دماغ اس حد تک چل گیا ہو کہ سیدھی بات سمجھ میں آئی نہ سکے،
ورنہ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام کی موت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔

یہاں فاضل رحمانی نے حتی الامکان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کرنے کی پوری
کوشش کی ہے، اور حیات انبیاء پر پردہ ڈال کر نصوص کے مقابلہ میں بیہقی کی وہ حدیث (جس پر خود
بیہقی نے تنقید کی اور بر تقدیر صحت تاویل کی) پیش کی ہے۔ اور لکھ دیا ہے۔ اذا تعارضوا تنصفا
اور اس ناقد البصر والبعیر کو خود اپنی مستند کتاب نور الانوار کا یہ قاعدہ نظر نہ پڑا کہ المعارضۃ تقابل
الحججین علی السواء لا مزینہ لا حدهما تعارض دو دلیلوں کا ایسا مقابلہ ہے جس میں کسی کو
کسی پر کوئی فضیلت نہ ہو، اور یہاں صاف چرچ موجود ہے، فیہ شکی من سوء الحفظ،

تاہم یہ بات بھی کہ انبیاء اپنے مرقد میں جلوہ فرمائے ہوں تصریحات اسلام کے بالکل

ان کا حافظ کس قدر کمزور ہے، حیرت ہے کہ لایتر کون فی قبور کو حیاء فی قبور ہم کے معارض قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ عدم ترک عدم حیات کو قطعاً مستلزم نہیں پھر لطف یہ ہے کہ حدیث لایتر کون فی قبور ہم خود ہمارے مخالف کے عقیدے پر صحیح نہیں (ملاحظہ ہو ترویج حاضرناظر ص ۴۴) اس کے خلاف ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں پوری راحت، ابدی مسرت بے انتہا سرور کے ساتھ سب سے بڑے درجہ پر سب سے زیادہ قرب خدا میں آرام فرما ہیں۔ ص ۲۷ پر ہے۔ اور مزار شریف میں آپ کا رونق افروز رہنا ہی عقلاً غلط درست ہے۔ باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے بڑی جی داری کے ساتھ اس کو احیاء فی قبور ہم کے معارضے میں پیش کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان گم کردگان راہ کے پاس سوائے حضور کی عداوت کے مذہب کا کوئی واضح تصور نہیں۔ جہاں یہ ثابت کرتا تھا کہ حضور کہیں بھی تشریف نہیں لے جاسکے وہاں یہ عقیدہ بتا دیا کہ اپنی قبر ہی میں رہتے ہیں۔ اور جہاں حیات انبیاء کا انکار تصور تھا وہاں ایک ضعیف حدیث کا مطلب یہ گڑھ لیا کہ زندہ رہنا تو بڑی بات ہے آپ قبر میں بھی نہیں رہتے اور حدیث کے نقل کرنے میں یہ خیانت برتی کہ پوری حدیث بھی نقل نہ کی بلکہ صرف ان الانبیاء لایتر کون فی قبور ہم بعد اربعین لیلۃ تک ہی نقل کیا۔

بات اک اور سینکڑوں اس کے جواب ہم سے کچھ فیروں سے کچھ درہاں سے کچھ

اس کے بعد علماء نے حیات شہداء سے جو استشہاد کیا ہے اس پر فرماتے ہیں کہ عالم برزخ کا معاملہ قیاسی نہیں کہ حضور کی حیات شہداء کی حیات پر قیاس کر کے ثابت کی جائے۔ حضور کے لیے تو تصریح کے ساتھ انک میت وارد ہوا ہے، اور شہداء کے لیے بل احیاء عند ربہم یزیدون یونہی آپ کے نائب کا مقرر کیا جاتا، آپ کی قبر موجود ہوتا۔ آپ کی موت پر دلیل ہے۔

خلاف ہے اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تنقید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اس اندھی اور مجنونانہ بڑا بہت ہی معقول جواب مولانا عتیق الرحمن صاحب دے چکے ہیں، کہ اگر یہ امور حضور کی موت پر دلیل ہیں تو کیا شہداء کی قبر نہیں بنائی گئی۔ نروۃ موتہ میں حضور کے مقرر کردہ قاعدوں کے بعد حضرت خالد ان کی جگہ مقرر کئے گئے۔ اور پھر کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں کہ حضور نے خود اپنی حیات پاک میں بارہا متعدد صحابہ کرام کو اپنا جانشین بنایا۔ کیا معاذ اللہ اتنی دیر کے لیے حضور مگر گئے تھے۔ اگر یہ معارضہ معقول تھا تو صاف اقرار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ناخصل روحانی اس کو بالکل ہضم کر گئے اور نہ منہ سے پھوٹے ہیں۔ نہ سر سے کھیلنے ہیں۔

کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
کیا شفق نے کھٹا دیا سیندور

عداوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد ہو گئی۔ جب حیات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تو اس شہرہ چشم کو انک میت سو جھٹا ہے۔ کسل نفس ذائقۃ الموت کا قاعدہ کلیہ یاد آتا ہے۔ لیکن حیات شہداء کے وقت انہم میتوں نہیں سو جھٹا، یاد کیا ہوا قاعدہ کلیہ بھول جاتا ہے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جاسکے ورنہ ان آیتوں سے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شہداء کو (خاک بدین گستاخ)

رہ گئی آیت بل احیاء تو آپ کی اندھی عقل کی بنا پر ان آیتوں کے معارض اور اذا تعارضوا تمسکوا بکما۔ عداوت مصطفیٰ کا شمار تمہارا اسمعیل شہید بھی مردہ ہو گیا۔

دہانی گرچہ اخفای کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند کھٹا ہا

کہ اس روایت میں جو محمد بن عبدالرحمن ہیں ان کا حافظہ کمزور ہے۔ اور بر تقدیر صحت حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لا یشترکون لا یصلون الا هذا المقدار یعنی صرف چالیس روز ہی ان کو اجازت ہوتی ہے کہ چاہیں تو نماز نہ پڑھیں اس کے بعد لذت و سرور کے لیے نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث احیاء فی قبورہم کے معارض نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دنیا کی طرح وہاں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

یونہی حیات شہداء حیات برزخی کے بلند انعامات سے ہے، تو کیا انبیاء ان انعامات سے محروم کر دیئے گئے جو امتیوں کو حاصل ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کی برزخی زندگی بھی امتیوں سے پست کی کہ انبیاء تو مردہ اور شہداء زندہ۔ حیرت ہے کہ فاضل رحمانی ہم کو ایسی بات سمجھاتے ہیں جو ایک بیوقوف نہیں کہہ سکتا۔

آپ کو حیات انبیاء کے مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی کیونکہ دین و ایمان کے ساتھ آپ کی عقل کا بھی دباؤ الکل گیا ہے۔ ورنہ آپ کو خود اقرار ہے کہ دلیل صرف چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس شرعی (تردید حاضرناظر ص: ۳۹) یعنی اجماع کو آپ دلیل شرعی مانتے ہیں، اور حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است، یک کس را درین مسئلہ خلافت نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی اند (اثر ب السبل و فوج الغیب ص ۳۳) بندہ پر در اس صریح اجماع کے بولتے بھی آپ کو اس مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی۔ کتنی پر لطف ہٹ دھرمی یہ آپ کی؟ آپ نے اس اجماع کا جواب دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن آپ کا یہ وعدہ وعدہ فردا بن کر رہ گیا۔ آپ نے اس اجماع کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ہم کو بھی اختیار نہ تھا۔

تیرے وعدے بے جے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا
کہ خوشی سے ہر نہ جانت اگر اعتبار ہوتا

خلاصہ: ان حدیثوں سے یہ امر بخوبی روشن ہو گیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الہی میں وہ بلند مقام ہے جس کے اوج عزت تک صنف انسانی کا کوئی فرد نہ پہنچ سکا۔ وہ اسی بلند مقام پر اس وقت بھی نظر آتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا خیر تیار ہو رہا تھا۔ اور وہ منصب نبوت پر اس وقت بھی فائز نظر آتے ہیں۔ جب ساری انسانیت حیات و وجود کی انگڑائی لینے کے لیے آمادہ ہو رہی تھی۔

پھر جب وہ نور الہی لباس بشریت اوڑھ کر اس خاکدانِ عالم میں تشریف لایا تو اس خیال سے کہ کہیں کوتاہ اندیش ماہذا الا بشر مثلنا، مالہذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ کہہ کر اس کو اپنا بھائی بنا کر اس کے دامن عزت میں بے لگانے کی مکروہ کوشش نہ کریں۔ قدرت نے کچھ ایسی خصوصیات بھی مرحمت فرمائیں کہ معمولی انسان بھی اس کے علوئے مرتبت کا فیصلہ کر سکے۔ اس طرح خدا کی دین سے وہ بے مثال تھا، بے مثال آیا، بے مثال رہا۔ اور جب اس دنیا سے تشریف لے گیا، جب بھی بے مثال ہے، کہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ عالم برزخ میں انعامات الہی کے مزے لے رہا ہے۔

پھر وہ ذات گرامی جس کو قدرت نے اتنا نوازا کہ وہ ہر بات جو ہمارے لیے غیر ممکن ہو، اس کے لیے ممکن بن جائے، اس کے لیے ہم اگر کوئی ایسا دعوے کریں جو اصول شرعی کے خلاف نہ ہو۔ اور شایاں شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو کیا صرف اس وجہ سے کہ وہ ہماری کمزور عقل کے نزدیک مستبعد ہے اس کا انکار کر سکتے ہیں؟ اس کی کون سی بات تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والتبائی ہونے کے باوجود جب بولتا ہے تو ایسا بولتا ہے کہ سارا عالم اس کے آگے خاموش ہو جاتا ہے۔

امی و گویا بہ زبان فصیح از الف آدم و سیم مسج
امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم
اور نہ صرف خود بولتا ہے، بلکہ بے زبانوں کو متکلم، بے جانوں کو صاحب
حیات، مخلوقوں کو فرمانروائے عالم اور صاحب رموز و اسرار بناتا چلا جاتا ہے اور
پھر اس معجزانہ انداز میں کہ اہل عالم آج بھی متحیر و پریشان ہیں کہ کیوں ہوا۔ اور
کیوں کر ہوا۔

اس لیے اس کی ذات گرامی کی طرف اگر کوئی منصب رفیع منسوب ہے تو
صرف اس وجہ سے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری ناقص عقل میں مستبعد
ہے، یا عام انسانوں کے لیے اس کا ثبوت نہیں ہے، ہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ
شرعی اصول کے معارض تو نہیں؟ اور اس سراپا اعجاز ذات کی خصوصیات سے بحث
کرتے وقت یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی بلند مقامی میں ہر انسان
سے بلند ہے اس لیے اس کی جانچ کا پیمانہ عام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: یہیں سے ”فاضل رحمانی“ کے ان تمام
مزخرفات کا جواب بھی ہو گیا، جو انھوں نے مسئلہ حاضر ناظر پر عقلی گرفت وغیرہ
کے عنوان سے کئے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور تمام مرنے والوں کی قبر میں
موجود ہیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ ایک سیکنڈ بھی روضہ اطہر
میں آرام نہ فرمائیں۔ جس سے آپ کو تنگی میں چھوڑنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ کوئی
ذمہ دار مسلسل دورے میں نہیں رہ سکتا۔ دوم یہ کہ حضور کی زندگی میں بھی لاتعداد
مردے دفن کئے گئے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آپ زندہ درگور ہیں۔

فاضل رحمانی کی اس سادہ لوحی پر یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ فاضل ہیں تو ضرور
لیکن فضیلت سے نہیں بلکہ فضلہ سے۔ ورنہ اتنی سی بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی

ہے۔ کہ بات کسی ڈپٹی کلکٹر کی نہیں اس ذات کی ہے جو سرتاپا معجزہ ہے۔ ورنہ اس
نامعقول دلیل اور ناجائز خبر خواہی سے حضور کی ہر ایک فضیلت کا انکار کیا جاسکتا
ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس خبر کو بھی کہ آپ رات رات بھر
عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ پائے مبارک درم کر جاتے تھے، اور شق ہو جایا کرتے
تھے، یہی کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے، کہ حضور ضیق اور تنگی میں پڑیں اور جو کوئی اس
حدیث کو پڑھ کر حضور کی فضیلت ثابت کرے۔ وہی شعر پڑھ کر اس کا جواب دے
دے کہ۔

بلا سے ان کی ادا کوئی بد گماں ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے دلولہ دل کا
فاضل رحمانی ایجاد و تحقیق کی ایسی نئی راہیں اکثر نکالتے رہتے ہیں جو نہ تو ان
کے کسی بڑے نے نکالی نہ چھوٹے نے، ان کی بات ہی اور ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا
اور اگر اس ضیق اور تنگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شی کا بیک وقت چند جگہ ہونا
عقلاً ناممکن ہے۔ جب بھی مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بے خبری ہے،
کیونکہ تمھاری عقل کب باور کرتی ہے کہ پسینہ عطر سے زیادہ خوشبودار ہو۔ لیکن یہ
حقیقت بہت روشن ہے کہ لوگ آپ کے پسینہ سے عطر بساتے تھے، پھر جس طرح
عقل کے باور نہ کرنے کے باوجود تم کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے، یہاں کیوں
عقلی پچر لگاتے ہو۔ علاوہ ازیں ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم عام قبروں میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ اس وقت روضہ انور یا کسی اور جگہ نہ
ہوں۔ بس یوں سمجھو کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے قادر و توانا

خدا نے مسافت زمان و مکان کو بچ کر دیا ہے، اور قدرت جب کسی کو اپنے حبیب کا دیدار کرانا چاہتی ہے تو دنیا سے ہست و بود کے مادی حجابات اٹھا دیتی ہے، وہ شخص اپنے پاس ہی حضور کو موجود پاتا ہے۔

دراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست

می نیست عیاں و د غای فرست

معنی حاضر و ناظر کا شرعی وقوع: یہ اصول طے ہو جانے کے بعد کہ فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بجائے عقلی دخل دینے کے یہ دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول بھی اسے جائز رکھتا ہے یا نہیں، یہ ضروری ہو گیا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ شرعی اصول بھی شرعی امکان ہے یا نہیں؟ (معنی کی تشریح آگے آرہی ہے) تو نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت علیہ السلام ہر مرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم۔

تم کو ملک الموت وفات دیتے ہیں جو تم پر مقرر کئے گئے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ ملک الموت ہر مردے کے پاس نہیں جاتے ہیں۔ یہ بھی ان کے پاگل دماغ کی ایجاد ہے۔ کیونکہ ان کا استدلال قرآن کی آیت والسا زعات غرقا ہے اس میں نازعات جمع ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ جان نکالنے والے کی ایک ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ کہیں ملک الموت خود چلے جاتے ہوں گے۔ اور کہیں کسی مددگار کو بھیج دیتے ہوں گے اس طرح ان کا کام رات دن چلتا رہتا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس علم و یقین کی دولت نہ ہو وہ اسی طرح ظن و تخمین کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سلسلہ میں عطر حقیق یہ ہے کہ قرآن میں قبض ارواح سے متعلق تین آیتیں ہیں۔ یتوفکم ملک الموت، توفیہ و سلنا، اللہ یتوفی الانفس، جن میں باہم تطبیق یہ ہے کہ اللہ حکم دینے والا فاعل حقیقی ہے، ملک الموت مرنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

براء امین عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان العبد المؤمن فی انقطاع من الدنیا و اقبال من الاخرة نزل علیہ الملائکة من السماء بیض الوجوه کان وجوہہم الشمس معهم کفن من اکفان الجنة حتی یجلسونہ مد البصر ثم یحیی ملک الموت علیہ السلام حتی یجلس عند راسہ فیقول ایہا النفس المطمئنة اخرجی و کذا فی الکافر الا انہ قال سود الوجوه معهم المسوم بذل بیض الوجوه و اکفان الجنة و النفس الخبیثة بدل الطیبة۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب بندہ مومن اس دار فانی سے کوچ کرتا ہے اور دار آخرت کی طرف رخ کرنے کو ہوتا ہے۔ تو آسمان سے فرشتے نورانی صورت والے اپنے ساتھ جنت کا کفن لیے آتے ہیں اور حد نظر تک

اخرج ایہا النفس (اے جان نکل) دیگر اعوان و مددگار روح کو ہاتھوں ہاتھ اس کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ یا رو مددگار سارے جسم سے روح کھینچ کر مخلوق کے پاس کر دیتے ہیں اور ملک الموت قبض کر لیتے ہیں۔ یہ مضمون مدارک الشریع، شرح اسرار قبور، مشارق الانوار میں ہے، اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف کی اس طویل حدیث میں ہے جو براء امین عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس سے پتہ چلا کہ ہر مردے کی قبض روح میں خدا، ملک الموت، اعوان، سب کو دخل ہے، کوئی آمر، کوئی مامور، کوئی مددگار، لیکن بے ایمانی اور جہالت کا براہو کہ فاضل رحمانی انھیں کا سہارا لے کر وہ سب کچھ تک جاتے ہیں۔ جو ایک مسلمان کو نہ کہنا چاہیے۔ فاضل رحمانی کے ترنگ کا کیا کہنا۔

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے بعد ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے نفس مطمئنہ اپنے قالب خاکی سے نکل۔

کافروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ صرف یہ الفاظ بدلے ہوئے تھے۔ **سود الوجوه معہم المسوم۔ النفس الخبیثہ۔ بیض الوجوه اکفان الجنة۔ نفس الطیبہ کے بدلے۔**

منکر و نکیر بھی ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولیٰ عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالہم اتاہ ملک ان فیقعدانہ و کذا عن ابی ہریرۃ۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۔

حضرت انس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ مردے کو قبر میں رکھ کر وہاں لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کے پیروں کی چاپ سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے اٹھاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملک الموت اور منکر نکیر ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔ اور ساری دنیا میں بیک وقت کتنی روحوں قبض کی جاتی ہیں۔ اسی لیے ملک الموت اور منکر نکیر کا بیک وقت چند جگہ ہونا ثابت ہوا۔ اور جب شریعت میں غیر خدا کے لیے اس معنی کا ثبوت ہوا تو پھر حضور کے ساتھ اس کی نسبت کرنے میں کیا قباحت شرعی لازم آئے گی جس طرح اور بہت سے ناممکنات حضور کے لیے ممکن بنا دیئے گئے یہ بھی سہی۔ بشرطیکہ قرآن وحدیث کی کسی عبارت سے اس کا ثبوت ہوتا ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مخالف کے اس ہدیائے کے جواب میں کہ حضور کو ”حاضر ناظر“ ماننا شرک ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس

کا ثبوت ملک الموت کے لیے ہے۔ منکر نکیر بیک وقت کتنی کتنی قبروں میں حاضر ہوتے ہیں، یا شیطان بھی ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یا براہ راست کوئی ایسی دلیل دی جاتی ہے۔ جس سے ہمارے مدعا سے کم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہم سارے ملک میں آپ کے حضور کے قائل اور دلیل سے صرف زمین کا حضور ثابت ہوتا ہے تو مخالفین جاسے سے باہر ہو کر جواب دیتے ہیں۔ ”دعوے عام دلیل خاص“ اس لیے یہ استدلال پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ لیکن ان رٹوں کے ٹٹوں کو کون بتائے کہ کوئی قاعدہ یا ذکر لینا اور بات ہے، اور اس کا سلیقہ سے برتنا اور بات ہے دریں چند شک تو ایک طوطی بھی یاد کر لیتی ہے، لیکن اسے اس سے کیا فائدہ؟ اسی طرح مخالفین نے بھی کہیں سے دعویٰ عام دلیل خاص کیا سن لیا ہے کہ ہلدی کی گانٹھ پالی ہے اور اب پنساری بنے گھوم رہے ہیں۔ ورنہ جہالت کا شمار نہ ہو تو یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ مسئلہ حاضر ناظر کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ فی نفسہ ایک چیز بیک وقت چند جگہ ہو سکتی ہے یا نہیں، دوسرے اگر یہ تعدد ممکن ہے تو اس کی مقدار اور حد کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ثبوت کتنا ہے، اس قسم کے تمام دلائل ونظائر سے متعین کو یہی ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ تعدد فی نفسہ جائز ہے، اور جب ایک چیز کا بیک وقت دو جگہ ہونا ممکن ہے۔ تو دو چار، دس بیس ہزار جگہ بھی ہو سکتا ہے، اس لیے اس کا ثبوت تو طلب کیا جا سکتا ہے کہ اس تعدد کی انتہا کیا ہے، لیکن اس میں بحث کی قطعاً گنجائش نہیں، کہ یہ عقلاً ممکن ہے یا نہیں جب کہ شریعت میں غیر خدا کے لیے اس کا وقوع ثابت ہے چہ جائے کہ اس کو شرک بتایا جائے۔ اس لیے حاضر ناظر ہونے کے ثبوت میں اگر کوئی حدیث پیش کی جائے۔ تو اس کو اپنے ظاہری معنی سے محض اس لیے نہیں پھیرا جاسکتا۔ کہ ہماری عقل میں نہیں آ رہا ہے۔

پوری بحث ایک نظر میں: گزشتہ اوراق سے بحث کی پوری پوزیشن واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو خدائے ذوالجلال نے ہمیشہ نوازا۔ اگر خداوند قدوس ان کو بیک وقت متعدد جگہ حاضر کر دے، اور کائنات ان کی نگاہ حقیقت بین پر روشن فرما دے، تو نہ خالق اس سے عاجز، نہ اس کا محبوب اس منصب رفیع کا نااہل، پھر اس سے نہ تو خدا کی خدائی میں کچھ کمی لازمی آتی ہے، نہ ایسا مان لینے سے حقوق الہی میں ہی دست اندازی ہوتی ہے کہ شرک کی طرف رہنمائی کرے، کیونکہ بیک وقت چند جگہ حاضر ہونا اور بہت ساری جگہوں کا پیش نظر رکھنا، ملک الموت کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کو وہ رات دن بجالاتے ہیں، پھر رسول ﷺ کے لیے اس کا ثبوت کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔

ہاں اس شرعی امکان کے بعد یہ ذمہ داری ضرور ہمارے سر ہے کہ ہم دلائل سے بھی یہ ثابت کر دیں حضور ”حاضر ناظر“ ہیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ یہ حضور اپنے کیف و کم میں کیسا ہے، جس سے عہدہ براہونے کی کوشش ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مسئلہ عقائد میں سے ہرگز نہیں کہ اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہو، بلکہ باب فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس لیے اس کا ثبوت اخبار آحاد یا متعدد احتمال رکھنے والی آیتوں سے بھی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆

معنی حاضر و ناظر

حضرت مولانا متین الرحمن صاحب نے ان الفاظ میں معنی ”حاضر و ناظر“ کو بیان کیا ہے۔

عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ (۱) قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمامی عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھتا ہے اور دور و قریب کی آواز سنتا ہے۔ (۲) یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتا ہے اور صد ہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ۔ یا اس جسم کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہے، یا کسی جگہ موجود ہے۔ (خیر الانبیاء ص ۸)

اس عبارت کے دو جز ہیں (۱) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور خالقِ دو عالم نے جس طرح بارہا آپ کے لیے عالم ہست و بود کے حدود و تعینات، مسافت زمان و مکان کو پارہ پارہ کر دیا ہے، یونہی عالم مادیات اور ملاء اعلیٰ کے تو بر تو حجابات اس نے جب جب چاہا اٹھاتا رہا۔ یہاں تک کہ نگہ عالم سے نہاں ہونے کے وقت پر انکشاف بھی کامل ہو گیا اور اب یہ عالم ہے۔

كالشمس في وسط السماء و نورها يغشى البلاد مشارقا و مغاربا
والقمر من حيث التفت رايته يعطيك في عينيك نور انافيا
آفتاب و ماہتاب کی طرح آپ ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور سارا عالم آپ کے پیش نظر ہے اور خدا جس کسی کو چاہتا ہے حجابات اٹھا کر اپنے حبیب کی طلعت زیاد کھادیتا ہے۔

۲۔ یا آپ کبھی کبھی (جیسا کہ لفظ سیر کرنے سے ظاہر ہے) سارے عالم میں

بیک وقت کہیں تو ت روحانی کے ساتھ، کہیں جسم مثالی کے ساتھ، کہیں جسم اطہر کے ساتھ موجود ہوجاتے ہیں، اور بیکسوں کی دنگیری فرماتے ہیں، جیسا کہ یہ رفتار خواہ جسم مثالی کے ساتھ، خواہ صرف روحانی، یا اس جسم کے ساتھ جو قبر انور میں موجود ہے کہ قضیہ مانعہ الخلو سے ظاہر ہے۔

حاضر و ناظر اور علمائے سلف: اور یہ خیال کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے کے علمائے اسلام نے اس کی تشریح و تفسیر کر دی ہے، جیسا کہ مولانا خلیق الرحمن صاحب نے اپنے رسالہ میں شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے کے اقوال سے ثابت کیا تھا، کہ کسی حیثیت سے بھی وہ حضرات اس کو بیان فرماتے ہیں اور اس پر کوئی رد نہیں کرتے بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو خاص اس بحث میں ایک کتاب ”تویر الحکک“ تصنیف فرمائی اور تفسیر کی۔

وقد تحصل من هذا النقول والاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بروحه و جسده وانه يتصرف حيث شاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئته كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئ و انه يغيب عن الابصار كما غيب الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله دفع الحجاب عن اراد كرامة برويته و توأثر به الاخبار. (ملخصاً)

ان منقولات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں، اور آسمان و زمین میں جہاں چاہیں تصرف کرتے

ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی حالت پر ہیں جیسا وفات سے پہلے تھے۔ اور آپ نگاہوں سے ایسا پوشیدہ ہو گئے ہیں جس طرح ملائکہ، حالانکہ وہ بھی تو اپنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ پس اللہ جس بندے کو حضور کی رویت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے، حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور خبریں اس بارے میں تو اترا تک پہنچ گئی ہیں۔

اور شیخ امام علامہ نوالدین طبری اپنے رسالہ ”تعریف اہل الاسلام بان محمد الاکمل و منہ زمان و لا مکان“ میں فرماتے ہیں۔

والذي اراه ان جسده الشريف لا يخلو منه زمان ولا مكان ولا محل ولا امكان ولا عرش ولا لوح ولا كرسي ولا قلم ولا بر ولا بحر ولا سهل ولا وعرو ولا برزخ ولا قبر كما اشرنا اليه و ايضا انه امتلاء الكون الاعلى به كما امتلاء الكون الاسفل و كامتلاء قبره به ف جسده مقيما في قبره طائفا حول البيت وقائما بين يدي و به لاداء خدمته (جواہر البحار جلد اول ص ۲۸۳)

میرا (ذاتی) خیال تو یہ ہے کہ حضور کے جسد اطہر سے نہ تو زمان خالی ہے نہ مکان، نہ محل نہ امکان، نہ عرش نہ لوح، نہ کرسی نہ قلم، نہ بحر نہ بر، نہ بزم نہ زمین نہ سخت، نہ برزخ نہ قبر، اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں، نیز آپ نے کائنات کو بھردیا ہے، اعلیٰ کو بھی، ادنیٰ کو بھی، اور قبر کو بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ قبر انور میں بھی رونق افروز ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور ادائے خدمت کے لیے مصروف ہیں۔

جس سے مولانا عتیق الرحمن صاحب کا مطلب صرف یہ تھا کہ علمائے اسلام میں کوئی حضور کی موجودگی مساجد میں، کوئی اہل اسلام کے گھروں میں، کوئی ذوات مصلین میں، کوئی ساری کائنات میں تصریح کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔ جس کا مطلب صاف یہی ہوا کہ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں۔ اور اس کے ماننے والے صرف ہم ہی نہیں، جیسا کہ آج کل غیر مقلدین اڑاتے رہتے ہیں۔ نیز اپنے مخالف سے یہ کہتا تھا کہ جان برادر اپنی کفری اور شرکی مشین کا رخ ذرا بزرگان دین کی طرف بھی کر دو تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام کو کافر و مشرک بنانے والے کون ہیں، اور آپ کا پیش کردہ شعر خود آپ کی ہی ترجمانی کرنے لگے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
ورنہ اپنے نشانہ کو پھر سے درست کیجئے اور ہم کو کہنے دیجئے۔

ترجیحی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لوتیر کو

مگر ہمارے فاضل رحمانی یہاں پہنچ کر کچھ ایسا جامے سے باہر ہو گئے ہیں کہ ساری امت مسلمہ کو تو ام ڈالا۔ کہ ہم پر نہ تو کسی اہل حدیث کا قول حجت ہے۔ نہ آپ کا اور آپ کے بڑوں کا (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قاضی عیاض شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جلال الدین سیوطی اور انھیں جیسے سینکڑوں بزرگ جو دین کا ستون ہیں فاضل رحمانی کے بڑے نہیں صرف ہمارے بڑے ہیں، ہم بھی تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب بزرگوں کے دین کے خلاف ہے، اچھا ہوا

کہ فاضل رحمانی نے خود اقرار کر لیا۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری) آپ شوق سے ان اقوال کو سند مت مانئے مگر اتنا تو تسلیم ہی کریں گے کہ آپ کی مشق ستم کی زد میں نہ صرف ہم بلکہ وہ مقدس نفوس بھی ہیں۔ جن کا نام لے کر بسا اوقات آپ بھی حدیث پڑھتے ہیں اور شاعر کے الفاظ میں۔

کے نمائند کہ دیگر بہ تیغ لازکشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را باز کشی
کا عالم ہے

اقوال کی بحث: ”فاضل رحمانی“ نے ہر ہر قول کے متعلق خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہنا فضیلت تصور کیا ہے، اور کچھ نہیں تو صرف یہی کہ دعوے عام اور دلیل خاص، اور کہیں یہ کہ یہ صاحب حاطب اللیل ہیں، اس لیے ان کی بات نامعقول، کہیں صرف اتنی بات سے کام چلایا ہے کہ ہم اس کو نہیں مانتے اور اخیر میں بڑے طمطراق سے چند تردیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ چونکہ ہم مولانا عتیق الرحمن صاحب کے پیش کردہ اقوال کے ساتھ فاضل رحمانی کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کر کے کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ہم سب ثابت کر دیں جب بھی فاضل رحمانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کوئی حدیث لاؤ، اس لیے صرف تردیدی اقوال سے کچھ تعرض کرتے ہیں۔

فاضل رحمانی نے پوری کتاب میں سات عبارتیں تحریر کی ہیں جن میں کسی میں نکاح کے وقت رسول اور فرشتے کے گواہ بنانے کو کفر کہا ہے اور کسی میں عالم غیب اور حاضر ناظر سمجھنے کو شرک بنایا ہے ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر خدا کے

لیے حاضر و ناظر کا قول یا کفر ہے یا شرک لیکن براہوٹ دھری کا جس نے فاضل رحمانی کو تلبیس و مکاری کا ذکر بنا دیا سب سے پہلی تلبیس تو فاضل رحمانی نے یہ کی ہے کہ حوالہ میں اتنا اہمال رکھا ہے کہ حتی الامکان مخالف صحیح عبارت کا مقابلہ اصل کتاب سے نہ کر سکے تاکہ یہ فریب مستمر جاری رہے۔

فتاویٰ بزازیہ ہمارے پاس تین جلدوں میں موجود ہے، لیکن اتنی طویل کتاب کے لیے حوالہ میں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ یونہی ملاحظہ فرمائیے کہ کتاب مفتاح القلوب دونوں غیر معروف ہیں اسی طرح توشیح اور تحفہ وغیرہ کو بھی مہمل چھوڑ دیا ہے، اور بڑی جی داری سے ان عبارتوں کو ان مشاہیر علمائے اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جس کا نام لے دینا ہی صداقت و دیانت کی ضمانت ہے، بہر حال اولاً آپ نے اقوال اور ان کے حوالہ میں انتہائی چالاکی سے کام لیا ہے، اور اگر تمام عبارتوں اور حوالوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کو مطمئن نہیں، کیونکہ ایسے اقوال و فتاویٰ کی تشریحات اور ان کا صحیح مہمل علمائے احناف کثر ہم اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جو فتاویٰ بزازیہ اور قاضی خاں سب پر جاری ہے، یہ آپ کی اندھی نگاہوں کا قصور ہے کہ آپ ہمارے مذہب سے بے خبر ہو کر ہمارے ہی ہتھیاروں سے ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس بے سرو سامانی کو ہی اپنا ساز و سامان سمجھتے ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ سر جائے اے اسد
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

علامہ ابن عابدین المعروف بہ شامی سل الحسامی الہندی صفحہ ۳۱۱ میں فرماتے

ہیں۔

ذکر فی جامع الفصولین مسئلۃ فی الفارسیۃ حاصلہا لو تزوجہا

بلاشہود وقال اللہ و ملائکۃ اور رسول یشہد ان انہ یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملك يعلم الغیب ثم اشکل ذلک بما اخبرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الغیبات و کذا ما اخبرہ عمرو جماعۃ من السلف ثم اجاب بانہ یمکن توفیق بان المنفی ہو العلم بالا سقلال لا العلم بالا علام۔

ترجمہ: جامع الفصولین میں ایک مسئلہ فارسی میں ذکر ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا اور رسول یا فرشتہ گواہ ہیں تو کفر ہو گیا، کیونکہ اس نے رسول اور فرشتوں کے بارے میں اعتقاد کیا وہ ”الغیب“ جانتے ہیں، لیکن اس پر یہ مشکل ہے کہ حضور نے غیب کی خبر دی اور حضرت عمر اور سلف کی ایک جماعت نے بھی، پھر خود ہی اس اشکال کا جواب دیتے ہیں دونوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے جن آیتوں میں علم کی نفی ہے اس کا مطلب بالاستقلال علم ہے اور جس کی خبر انبیاء نے دی، وہ باعلام الہی تھا۔

اس کے صفحہ ۳۱۲ میں فرماتے ہیں۔

ومسئل فی الفتاویٰ! الحدیثیۃ عنمن قال ان المؤمن یعلم الغیب هل یکفرو لا یبئن او یفصل له جواز العلم بجزیات الغیب، فاجاب بقولہ لا یطلق تکفیرہ لاحتمال کلامہ و من تکلم بما یحتمل کفر وغیرہ و جب استقصا لہ کما فی الروضۃ وغیرہا۔

فتاویٰ حدیثیہ میں ہے جس نے کہا کہ مومن غیب جانتا ہے آیا کافر ہو گیا یا اس سے سوال کیا جائے گا کہ تیری مراد اس سے کیا ہے کیونکہ بعض غیوب کا علم تو ممکن ہے جواب یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کے کلام میں احتمال ہے، اور جس نے ایسا کلام کیا جس میں کفر و غیر کفر دونوں کا احتمال ہو تو تفصیل ہی کی

جائے گی۔

پھر چودہ سطروں کے بعد لکھتے ہیں

ومتی استفصل فقال اردت بقولی المؤمن يعلم الغیب ان بعض اولیاء اللہ قد علمہ اللہ ببعض المغیبات قبل ذلک لانه جائز عقلاً و واقع نقلاً اذ هو من جملة الکرامات الخارجة عن الحصر علی ممر الا عصار فبعضهم يعلمہ بخطاب و بعضهم يعلمہ بکشف حجاب و بعضهم یکشف له عن اللوح المحفوظ حتی یراه یکفی بذالک ما اخبرہ القرآن عن الخضر۔

اور تفصیل طلب کرنے پر اس نے کہا کہ میرے اس قول ”مومن غیب جانتا ہے“ سے میرا مطلب یہ تھا کہ بعض اولیاء اللہ کو خدا نے بعض غیوب کی خبر دی ہے تو یہ مان لیا جائے گا کیونکہ یہ عقلاً بھی جائز ہے، اور نقلاً واقع ہے، کیونکہ یہ تو ان بے شمار کرامتوں میں سے ہے جس کا احصاء ممکن ہی نہیں، بعض کو خدا مخاطب کر کے بتا دیتا ہے، بعض کو کشف حجاب کر کے اور بعض کے لیے لوح محفوظ کا پردہ اٹھا دیتا ہے، اور لوح محفوظ کو دیکھ لیتا ہے اور اس میں وہی کافی ہے جس کی خبر قرآن نے حضرت خضر علیہ السلام کو دی۔

پہلی عبارت سے پتہ چلا کہ رسول اور فرشتوں کی گواہی میں دو احتمال ہیں۔ رسول و ملک بذات خود جانتے ہیں، یا باعلام الہی، اور کفر کا فتویٰ اسی وقت صحیح ہو گا، جب علم بذات خود کا عقیدہ رکھا جائے۔ جس سے معلوم ہو کہ وہ تمام اقوال اور فتاویٰ جہاں ملک اور رسول کی گواہی یا اعتقاد علم غیب پر کفر کا قول کیا گیا ہے (خواہ فتاویٰ قاضی خاں، یا بزاز، یا مالا بدمنہ ہو یا کسی دوسری جگہ ہو) وہاں یہ دو احتمال نکل سکتے۔ اور سل الحسام کی دوسری عبارت یہ بتاتی ہے، جس عبارت میں

احتمال ہو، اس مطلقاً کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، بلکہ تفصیل طلب کی جائے گی اور پھر چھپا جائے گا کہ وہی کفری معنی مراد ہیں یا نہیں، اگر کفری معنی سے انکار کرے تو تیسری عبارت کی رو سے اسکو ہرگز ہرگز کافر نہیں کہا جائے گا، وہ ساتوں عبارتیں جو فاضل رحمانی نے نقل کی ہیں ان سب میں یہ دو احتمال نکل سکتے ہیں، کہ عطاء الہی یا بذات خود۔ اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق پہلی شق پر کفر کا فتویٰ صحیح نہیں، اور دوسری شق پر درست اور صحیح لیکن یہ ہم کو قطعاً مضرت نہیں، کیونکہ ہم عطاء الہی کے قائل ہیں۔ اور اگر ان عبارتوں کا مطلب مطلقاً کفر کا ہے جیسا فاضل رحمانی کا خیال ہے تو یہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ نہیں، بلکہ ضعیف قول ہے۔ جیسا کہ معدن الحقائق، خزائن الروایۃ، وغیرہ اکثر کتب فقہ میں آیا۔

والصحيح انه لا يكفر، لان الانبياء عليهم السلام يعلمون الغيب و يعرض عليهم الاشياء فلا يكون كفراً۔

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں لہذا کفر نہیں۔

آپ ہماری کتابوں سے ہم کو الزام نہیں دے سکتے، کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ مسائل کی کتابوں میں رائج مرجوح، مفتی بہ اور غیر مفتی بہ ہر قسم کے اقوال ہوتے ہیں، اور جب تک صحت کے ساتھ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ قول مفتی بہ ہے، اس کے ساتھ فتویٰ دینا ضرور جہالت ہے، جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح ہے، اور آپ اور آپ کے مولوی عبد الرزاق ضرور جاہل ہوئے رہے علمائے احناف تو اللہ کے فضل سے علم باعلام، اور علم بالاستقلال کے فرق کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کو یہ فتویٰ قطعاً مضرت نہیں، اور اس سلسلے میں آپ کی ساری لاف و گزاف بے معنی۔

باخراہات نصیحاں ذکر امانت ملاف
ہر سخن چائے و ہر گت رکائے دارد

حاضر و ناظر اور فاضل رحمانی

گزشتہ اوراق میں مسئلہ حاضر ناظر کے متعلق ہمارے خیالات کافی وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں ہے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ ماننا اپنا بنیادی عقیدہ مانتے ہیں، اور عقیدہ خواہ ایجابی ہو یا سلبی ہر ایک کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جس طرح ہمارے ذمہ حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہے، اگرچہ عقیدہ قطعی نہ ہونے کے سبب دلیل قطعی ہی سے کام چل جائے گا۔ اسی طرح ہمارے مقابل کے لیے بھی جدید دلیل کی ضرورت ہے، صرف ہمارے دلائل کی تردید کافی نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک باب عقائد سے ہے غالباً ہمارے مخالف اس نکتہ سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے بھی حاضر و ناظر نہ ہونے پر دلیل پیش کی ہے، لیکن پوری بحث جو مولانا عتیق الرحمن صاحب اور فاضل رحمانی میں چل رہی ہے، اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف ایک دلیل ایسی ملے گی۔ جس کو فاضل رحمانی نے حاضر و ناظر نہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، باقی سارا طومار ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ہے، حالانکہ بغرض محال اگر ہم یہ ثابت نہ بھی کر سکیں جب بھی جب تک مخالف حاضر و ناظر نہ ہونا ثابت نہ کر دے، اس کو کچھ بھی مفید نہیں۔

اب ہم فاضل رحمانی کی اس اکلوتی دلیل پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے دلیل قطعی کے طالب خود کتنی لچر دلیل پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے ہیں، فرماتے ہیں

اللہ فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من جبل الوردیہ، اور هو اللہ فی

سموات والارض جس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ
 رشار ہے لیکن کمثلہ شئی، اس کے مثل کوئی شئی نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ
 نہ کے ہر جگہ موجود ہونے میں بھی کوئی اس کے مثل نہ ہو۔ (اتنی ملخصاً)
 اس پر مولانا عتیق الرحمن صاحب نے ایک معارضہ فرمایا۔

اگر قرآن کی آیتوں کا یونہی مذاق کیا جاسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انہ
 هو السميع البصير، اللہ ہی سمیع و بصیر ہے، اب اس کے ساتھ لیسن کمثلہ
 شئی والی آیت ملا لو، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفت سمیع و بصیر کا بھی کسی غیر خدا پر
 حلق نہ ہو، اور جو اطلاق کرے وہ مشرک، حالانکہ قرآن میں انسان کے لیے سمیع
 و بصیر کا لفظ استعمال ہوا ہے فجعلناه سمیعاً بصیراً۔ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر
 بنایا، تو کیا معاذ اللہ قرآن خود مشرک۔ (ملخصاً)

جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہاں صرف لفظی اشتراک سے
 شرک ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اور خدا کے سمیع و بصیر ہونے
 میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح خدا کے حاضر ناظر ہونے میں اور رسول
 کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے میں بھی یوں بعید ہے۔ لہذا شرک ثابت نہ ہوگا۔
 لیکن فاضل رحمانی، حضرت مولانا کی اس چوٹ سے ایسا بوکھلا گئے ہیں، ساری نحو،
 ساری منطق اور علم کلام انڈیل دیا ہے، جب کہیں گالی وغیرہ دے کر ٹھنڈے
 ہوئے ہیں، اور کہا وہی جو حضرت مولانا کہلانا چاہتے تھے۔ اس سادہ لوح کو اس
 نے کے کا احساس نہ ہوا، جس کا فضا صرف یہ تھا۔

کیا لطف جو غیر پر دہ کھولے۔ جادوہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
 ہم نے سنا کہ فاضل رحمانی کی اس طولانی تقریر کے جواب میں حضرت
 مولانا ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

لائے اس بت کو التجا کر کے کفر ٹوٹا خدا کر کے

چنانچہ اس معارضہ کے جواب میں ایک طویل تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اللہ ہمیشہ سمیع و بصیر ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اور انسان ایک محدود مدت تک۔

(۲) انسان خدا کے بنائے سے سمیع و بصیر ہے، اور خدا خود بخود۔

(۳) ہمارے سمیع و بصیر کی کیفیت معلوم ہے، اور خدا کی مجہول ان تین تین فرقوں کے باوجود کون بے وقوف ہوگا جو خدا اور بندے کو سمیع و بصیر میں شریک مانے گا۔

یہاں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو حضور سے عداوت ہے، ورنہ یہ کیا وجہ ہے کہ جب خود اپنی سماعت و بصارت معرض خطر میں آتی ہے تو طرح طرح کی تاویلیں سوچتی ہیں اور بے شمار فرق نظر آتے ہیں لیکن حضور کی کسی صفت کے بارے میں بغیر کسی تاویل کے شرک و کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی باتیں کہی جاسکتی ہیں کہ حضور کا حاضر و ناظر ہونا خدا کی دین سے ہے اور خدا کا خود اپنا، حضور کا حاضر و ناظر ہونا ایک خاص مدت سے ہے، اور خدا کے لیے کوئی حد نہیں۔ ورق الٹ کر حضور کے لیے حاضر و ناظر کے معنی دیکھ لیجئے۔ کیا جسم مثالی، یا روح، یا جسم حقیقی کے ساتھ سیر کرنا خدا کی صفت خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ان تیرہ بختوں سے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

ہنر پچشم عداوت بزرگ تر عیسیٰ است

گل است سعدی و در چشم دشمنان خارست

مسئلہ حاضر و ناظر اور مولوی عتیق الرحمن صاحب

رسالہ ”خیر الانبیاء“ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے ثبوت میں کئی آیتیں اور متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں جس سے مولانا عتیق الرحمن صاحب کا منشاء صرف یہ تھا کہ ان تمام نصوص کے پیش کر دینے سے حضور کی وسعت علم و نظر کا ایک واضح نقشہ سامنے آجائے اور آپ کی وسعت علمی بطور تواتر معنوی کے ثابت ہو جائے، ہر ہر آیت یا حدیث الگ الگ مستقل دلیل نہ تھی، کہ اس اعتراض کی گنجائش نکل سکے، کہ فلاں دلیل دعویٰ سے خاص ہے، کیونکہ وہ کوئی الگ اور مستقل دلیل ہی نہیں تاہم اس امر کا خاص لحاظ رکھ کر بعض ایسی آیتوں اور حدیثوں کو بھی بیان کر دیا گیا تھا، جو تنہا بھی ثبوت مدعا کے لیے کافی ہوں، لیکن ہمارے فاضل رحمانی کو عقل سے اتنا پیر ہے کہ صرف اپنی سہولت و آسانی نیز جاہل عوام پر اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھانے کے لیے ہر ہر آیت و حدیث کو الگ الگ دلیل فرض کر لیا ہے۔ حد یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محض وضاحت مسئلہ کے لیے بیان کیا گیا تھا۔ اس کو بھی ایک الگ دلیل بنا کر خواہ مخواہ زحمت و ردید گوارا فرمائی، اور کاغذ سیاہ کئے ہیں اس پر ہم اس سے زیادہ کیا کہیں۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است

سخن شناس نخی دلبرا خطا اینجا است

لیکن ہم کو چونکہ فاضل رحمانی کی ہر طرح خاطر کرنی منظور ہے، اس لیے اس رسالے میں انھیں کے اصول کو مد نظر رکھ کر خیر الانبیاء کے صرف انھیں نصوص کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے جو بہت کچھ دعویٰ سے مطابق ہیں، اور جس کا اعتراف زبان حال سے ہمارے سادہ لوح مخالف نے بھی کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں

کہ بقیہ نصوص اس بات سے عاری ہیں، بلکہ یہ تو صرف ہمارے بھولے بھالے نیز آفت کے پرکالے مخالف کی جاہلانہ شوخی ہے کہ وہ اپنی جہالت و لاعلمی کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے، عجب بات ہے،

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

شہادۂ اکی بحث: اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمن صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ قرآن عظیم نے آپ کی ذات گرامی کو تین جگہ شہید یا شہاد کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔

(۱) کذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شہیدا۔ (سورہ بقرہ پ ۲)

ایسے ہی اے امت محمد تم کو امت وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دو، اور تم پر رسول شہید ہوں۔

(۲) فکیف اذا جئنا من کل امة بشہید و جئنا بک علیٰ هؤلاء شہیدا۔ سورہ نساء پ ۵۔

پس کیسے ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت سے گواہ لائیں گے اور آپ ان سب پر شہید ہوں گے۔

(۳) یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہدا و مبشرا و نذیرا۔ (سورہ احزاب پ ۲۲)

اے نبی ہم نے آپ کو شہاد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

ان آیتوں سے وجہ استدلال یہ ہے کہ (۱) شہاد اور شہید کے وہ معنی جو یہاں

مراد لیے جاسکتے ہیں دو ہیں۔ حاضر و ناظر یا گواہ پہلی صورت میں مدعا بدلتا ثابت اور گواہ ہونے کی صورت میں بھی حاضر و ناظر ہونا ضروری کہ شہادت بغیر معائنہ کے ہو ہی نہیں سکتی (۲) اور گواہ ہونے کی شکل میں آپ ساری مخلوق پر گواہ ہوں گے اس لیے پوری کائنات حضور کے پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

فاضل رحمانی نے اس پر مندرجہ ذیل گرفتیں کی ہیں۔

(۱) حضور ساری مخلوق پر گواہی تو کیا دیں گے اپنی امت کے لیے بھی صرف اتنا کہیں گے کہ یہ عادل اور سچے ہیں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ہر امتی کی تمام حالتوں سے بھی آپ آگاہ ہوں۔

(۲) شہادت کے لیے دیکھنا ضروری نہیں مدارک میں ہے۔ الشہادة قد تكون بلا مشاہدة كما فی الشہادة بالتسامع فی الاشياء المعروفة شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشیاے معروفہ و مشہورہ میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضور کو شہادۂ اکی لفظ کی وجہ سے حاضر و ناظر کہنا صحیح ہے تو امت محمدیہ کو بھی اس خطاب سے نوازا گیا ہے۔ لہذا سب حاضر ناظر ہوئے۔

شہادت کے معنی: اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ امام اکمل الدین محمد بن محمود الباری اپنی کتاب عنایۃ علی الہدایۃ میں فرماتے ہیں۔

والشہادة فی اللغة عبارة عن الاخبار بصحة الشی عن مشاہدة و اعیان و لهذا قالوا انها مشتقة من المشاہدة۔ کتاب مذکورہ جلد ۶ صفحہ ۲

شہادت لغت میں کسی چیز کی خبر دینا ہے روایت و مشاہدہ کے بعد اس لیے اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ سے مشتق ہے۔

الشهادة والمشاهدة والشهود هو الروية - تفسیر کبیر دوم صفحہ ۹
شہادت، مشاہدہ اور شہود دیکھنے کا نام ہے (خواہ قلب سے ہو یا آنکھ سے)
والترکیب للحضور اما بالذات او بالتصور - (بیضاوی شریف ص
(۴۵)

شہادت کی ترکیب ہی حضور کے لیے ہے بالذات بالعلم۔

اور خیر الانبیاء میں تو مفردات راغب کے حوالہ سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ
الشهادة والشهود هو الحضور مع المشاهدة اما بالبصر و اما
بالبصيرة - شہادت اور شہود کے معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا یہ مشاہدہ خواہ
آنکھوں سے ہو خواہ بصیرت سے اور اتنا تو لغت کی ہر کتاب میں مل جائے گا کہ
الشهادة خبر قاطع، شہادت خبر قاطع کا نام ہے اور کسی چیز میں قطعیت کے دو
ہی طریقے ہیں یا مشاہدہ - یا ایسے صادق القول کا خبر دینا جو واقعہ اپنی آنکھوں سے
دیکھے ہو۔ بہر حال جہاں تک شہادت کا تعلق ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا ثبوت
مشاہدہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لیے شاہد کے معنی خواہ حاضر ناظر ہونا خواہ گواہ۔
بہر حال حاضر ناظر ہونا ضروری ہے۔

شہادت بالتسامع: رہ گیا یہ سوال کہ علامہ نسفی نے فرمایا والشهادة
قد تكون بلا مشاهدة كما في الشهادة بالتسامع في الاشياء المعروفة
تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ
اس صورت میں شہادت کا اطلاق حقیقت ہے یا مجاز، حقیقت تو ہے نہیں جیسا کہ
کتب لغت اس کی شاہد عدل ہیں۔ اور ابھی ہم نے عنایہ وغیرہ کی عبارتیں نقل کی
ہیں جن سے ظاہر ہے کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری ہے بلکہ یہ اطلاق مجاز ہے
حقیقت نہیں، اسی واسطے فقہائے کرام اس کو خلاف قیاس فرماتے ہیں، اور فرماتے

ہیں کہ شہادت بالتسامع حفظ حقوق کے ماتحت ضرورہ جائز رکھی گئی ہے، پس جب
الطلاق مجاز ہوا تو یہ کہنا کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری نہیں جہالت ہے۔ اور
دارک کی عبارت پیش کرنا جہالت در جہالت کیونکہ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی کہے
اسد کے لیے حیواں مفترس ہونا ضروری نہیں بلکہ اسد کبھی حیوان ناطق بھی ہوتا ہے
جیسے بولتے ہیں زید اسد اس کا میں اسد کا اطلاق زید پر ہوا جو حیوان ناطق ہے۔
اور فاضل اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں بہت دور کی کوڑی لایا۔
اس زلف پہ بچتی شب دیہور کی سوچی اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوچی
امت کی شہادت: اسی طرح امت مسلمہ جو گزشتہ امتوں کے بارے میں
بیان دے گی وہ شہادت علی الشہادۃ ہوگا۔ جیسا کہ جب ان سے سوال کیا جائے گا
کہ تم نے کس طرح یہ شہادت دی تو کہیں گے باخبار القرآن علی لسان
نبیک الصادق جس سے خود ہمارے ہی دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہادت
کے لیے دیکھنا ضروری ہے جیسا تو امت محمدی سے سوال ہوا کہ آخر گواہی کیسے دے
رہے ہو جب تم اس وقت تھے نہیں، پس جس طرح ان کی شہادت علی الشہادۃ
ہے، اسی طرح پر لفظ شاہد کا اطلاق بھی مجاز ہوا ہے، اور ان کو حاضر ناظر کہنا
درست نہیں۔

شہادت تو حید: لیکن فاضل رحمانی شہادت علی الشہادۃ کے طلسم زار
میں ایسا چھپنے کہ رہائی ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے تو
ہر مسلمان کلمہ تو حید کی شہادت کیسے دیتا ہے، لیکن اس سادہ لوح کو معلوم نہیں کہ یہ
بھی شہادت علی الشہادۃ ہے وہ بھی اس پایہ کی کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں حضور
کے نہیں بلکہ اپنی معرفت اور علم سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی
بارگاہ الہی میں نامقبول ہوگی۔

رہ گیا یہ سوال کہ شہادت علی الشہادۃ پر لفظ شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہمارے لیے کچھ مفسر نہیں کیونکہ حضور کی شہادت کو بھی شہادت علی الشہادت ثابت کرنے کے لیے مخالف کو دلیل کی ضرورت پڑے گی اور یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

تنبیہ: یہ واضح رہے کہ مشاہدہ باب شہادت میں اپنے وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نکاح کے ایجاب و قبول کی گواہی دیتا ہے، یہ خبر بھی مشاہدہ میں داخل ہے، لیکن رویت عین یہاں بالکل نہیں، کیونکہ اس کا تعلق آنکھ سے ہے ہی نہیں بلکہ کان سے ہے، یونہی مبصرات کے علاوہ دیگر محسوسات کی گواہی انھیں حواس کے واسطے سے ہوگی۔ بایں ہمہ وہ تمام قسمیں مشاہدات میں داخل ہیں، اور اس کی اعلیٰ قسم ہیں، یونہی دنیا کی گزشتہ یا آئندہ وہ اشیاء جن کا تعلق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس واسطے سے ہوا ہو سب مشاہدات میں داخل ہیں۔

شہادت کی وسعت: یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ شہادت کے لیے مشاہدہ ضروری ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ حضور کی شہادت کن کن لوگوں پر ہوگی۔ جلالین، تفسیر ابن عباس، بیضاوی، ابوسعود، تفسیر کشاف وغیرہا میں پہلی آیت کے تحت میں یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مزی اور معدل ہیں۔ دوسری آیت سورہ نساء کے تحت مدارک و خازن میں ہے۔

جئنا بک یا محمد علیٰ ہؤلاء شہیدا الذین خطبوا بالقران وسمعوا القران بما عملوا۔

ہم آپ کو اے نبی ان گواہوں پر گواہ بنائیں گے جن کا قرآن مخاطب کرنے والا ہے۔ اور جنہوں نے قرآن سنا اور عمل کیا۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

جئنا بک علیٰ ہؤلاء المنکرین شہیدا۔
ہم نے آپ کو منکرین پر گواہ بنایا
بیضاوی میں ہے۔

تشہد علیٰ صدق ہؤلاء الشہداء لعلمک بعقائدہم
واستجماع شرعک مجامع قواعدہم قبل لہؤلاء اشارۃ الی الکفرۃ
قبل الی المومنین۔

آپ ان گواہوں کے صدق پر گواہی دیں گے کیونکہ آپ کو ان کے عقائد کا علم ہے اور آپ کی شریعت جامع ہے ان کے تمام قواعد کی ایک قول یہ ہے کہ ہؤلاء سے مراد کفار ہیں۔ اور کہا گیا کہ مومنین مراد ہیں۔

ان تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مفسروں کے تین اقوال ہیں۔

(۱) آپ انبیاء پر شہادت دیں گے۔ (۲) کافروں پر شہادت دیں گے۔

(۳) مسلمانوں اور مومنوں پر شہادت دیں گے۔

تیسری آیت کے تحت جلالین میں ہے۔

شاہدا علیٰ من ارسلت علیہم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں کے جن کے آپ رسول ہیں (ساری مخلوق)

تفسیر ابن عباس میں ہے۔

شاہدا اعلیٰ امتک بالبلاغ۔

آپ شاہد ہوں گے اپنی امت پر تبلیغ رسالت کے

بیضاوی میں ہے۔

شاہدا اعلیٰ من بعث بتصدیقہم و تکذیبہم و تجانہم و

صلاتهم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں پر جن کی طرف مبعوث کئے گئے ان کی تصدیق و تکذیب اور نجات و صلاۃ کے لیے۔
تفسیر کبیر میں ہے۔

شاهد اعلیٰ الخلق يوم القيامة او شاهدا لا اله الا الله او شاهدا في الدنيا بالجنة والنار وفي الآخرة بالطاعة والمعصية والفلاح والفساد۔

آپ شاہد ہوں گے مخلوق پر قیامت کے دن۔ یا آپ لا اله الا اللہ کی شہادت دینے والے ہیں۔ یا دنیا میں جنت و نار کی شہادت دیتے ہیں اور آخرت میں طاعت و گناہ، فلاح و فساد کی شہادت دیں گے۔
تفسیر ابوسعود میں ہے۔

علی من بعث اليهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم وتعمل منهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق والتكذيب وسائر ما هم عليه والهدى والضلال توديعها يوم القيامة۔

آپ شاہد ان لوگوں پر ہیں جن کی طرف مبعوث کئے گئے آپ ان کی کیفیات کے مجہبان، ان کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والے اور آپ ان کی شہادت دیں گے وہ جو ان سے صادر ہوا، تصدیق سے تکذیب سے اور ہدایت و گمراہی (سب کی) شہادت قیامت کے دن دیں گے۔

مدارک و خازن میں ہے۔

شاهد المرسل بالتبليغ وقيل شاهد اعلیٰ الخلق كلهم۔

رسولوں کی تبلیغ و ہدایت کی شہادت دیں گے اور ایک قول کہ ساری مخلوق پر

گواہ ہوں گے۔

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی تصدیق اور تزکیہ فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ میرے امتی سچے ہیں۔ جیسا کہ فاضل رحمانی کا بیان ہے لیکن صرف یہی آیت تو نہیں ہے کہ فاضل رحمانی کی بات مان لی جائے۔ اس ظالم نے تو یہ غضب کیا ہے کہ اور دیگر آیتوں کی تفسیر کر کے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوا ہے، کیونکہ دوسری آیت سے اتنی بات زائد ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء پر بھی آپ گواہ ہوں گے اور دیگر اقوال کی بنا پر ساری مخلوق پر آپ شاہد ہوں گے۔ پھر اگر ان تفسیروں کی روشنی میں حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب نے یہ کہا کہ ساری مخلوق پر آپ کی شہادت ہوگی اور ہم بدلائل ثابت کر آئے ہیں کہ الشہادة هو الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة اس لیے اگر ان سب کے پاس حضور کا دعویٰ کیا تو کیا غضب کیا، لیکن فاضل رحمانی اپنی غلط کوشی و نادانی سے ہر جگہ متبادل و رکیک جیداری سے کام لیتے ہیں۔ اب یہ ناظرین کا کام ہے وہ یہ فیصلہ کریں کہ دزد بکف چراغ وہ ہیں یا دوسرا۔

بحث کا اعادہ: یہ یاد رہے کہ اب تک جو بحث کی گئی صرف اس شق پر کی گئی ہے کہ شاہد کے معنی گواہ کے ہیں، اور گواہ کے لیے دیکھنا ضروری، لہذا آپ حاضر ہوئے، اور اگر شاہد اشہود کا اسم فاعل ہو تو اس کے ٹھیک معنی حاضر ناظر ہوئے، جیسا کہ علیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ”بمجاہم نے آپ کو حاضر و ناظر“ اور صاحب مفردات راغب نے هو الحضور مع المشاهدة سے کیا اور آیت کے اس معنی پر فاضل رحمانی نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ یہ لفظ متکثر المعنی ہے، گویا دے لفظوں میں اس معنی کا بھی آپ کو اقرار ہے۔ اور دلالت النص سے نہیں اقتضاء النص سے ہی حضور کا حاضر و ناظر ہونا تسلیم کر لیا۔ یہ عجیب بات ہے۔

ہوئوں پہ ہنسی آنکھوں میں غضب اقرار بھی ہے انکار بھی ہے۔

حضور جسمی: یہاں ایک مغالطے کا ازالہ ضروری ہے۔ مولانا عتیق الرحمن نے خیر الانبیاء میں فرمایا ”گزشتہ امتوں کے حالات چشم خود ملاحظہ نہ فرمایا ہوتا تو آپ سے جرح نہ ہوتی کہ آپ بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہیں۔“ یہاں لفظ چشم کی آڑ لے کر فاضل رحمانی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اپنے جسد عرضی کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہیں۔

اس دھوکے کا بھی اصلی سبب یہی ہے کہ یہ شہرہ چشم حضور کے دیکھنے کو بھی اپنی طرح سمجھ رہا ہے حالانکہ اس سراپا اعجاز صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا ہماری طرح قطعاً نہیں ہے، ہم صرف سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں انسی لارا کم وراء ظہری کما یری امامی میں تم کو پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے۔ حدیث تہجدی لی کل شئی میں گوتھوڑی ہی دیر کے لیے فاضل رحمانی بھی یہ مانتے ہیں کہ ساری کائنات حضور پر روشن ہو گئی خواہ گزشتہ ہو موجودہ یا آئندہ اور حضور نے ہر ایک کا عرفان بھی کیا، پھر کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ حضور ہر ہر شے کے پاس بحمدہ حاضر ہوں یونہی حدیث انسی انظرو الیہا و انا فی مقامی ہذا۔ میں بھی آپ کو یہ اقرار ہے کہ آپ کی یہ نظر قیام منبر تک ہی سہی حوض کوثر پر ہے۔ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ نظر ہماری اور آپ کی طرح ہے۔ بندہ پرور اس مقدس وجود کے لیے رویت و عرفان کے وہ تمام اصول و قواعد جو عام انسانوں کے لیے ضروری ہے ان کے لیے ضروری نہیں، وہ بغیر گزشتہ زمانوں میں بحمدہ موجود ہوئے بھی ہر ایک چیز کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ ملاحظہ گوان ظاہری آنکھوں سے نہ ہو۔ مگر اتنی وضاحت رکھتا ہے کہ ساری دنیا کی نگاہیں مل کر بھی اتنا عرفان حاصل نہیں کر سکتی۔ تو اس کیفیت کے بیان کے لیے سوائے چشم دید اور مشاہدہ کے لیے اور کون سا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کا یہ

مطلب قطعاً نہیں کہ ہم حضور جسمی کے گزشتہ زمانوں میں قائل ہوں، اور نہ اس کو آپ ہمارے بیان کردہ معنی حاضر و ناظر سے کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ قرآن عظیم کی ان آیتوں کو پیش کر کے جن میں حضور جسمی کی نفی ہے کتاب کے اوراق میں اضافہ کیا ہے۔

مزکی یا شاہد: گزشتہ اوراق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی آیت میں علمائے تفسیر نے مزکی و معدل کا لفظ اور دوسری میں بعض نے استعمال کیا ہے اور تیسری میں حضور کو شاہد ہی لکھتے ہیں، جس سے فاضل رحمانی کی اس بانگ بے ہنگام کی وقعت ظاہر ہو جاتی ہے کہ امت کے ہارے میں آپ صرف اجمالی بیان دیں گے کہ یہ قابل گواہی ہے۔ اور بس، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ مزکی و معدل ہونے کے معنی بھی بیان کرتے چلیں تاکہ رگ و بابیت کا کوئی تار باقی نہ رہے۔ علامہ بیضاوی کی تفسیر متعلقہ دوسری آیت تھہد علی صدق ہولاء الشہداء پر امیر خطیب کا زرونی حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اقول ہہنا شیخان الاول ما الفائدة فی جعل نبینا شہیدا علی الانبیاء مع کمالہم والثانی ان الشہادة علی صدق الشہداء لا تعلق لہم للعلم بعقائدہم و استجساع شرعہ لجامع قواعدہم بل مدارہا علی ان یعلم ان ما یقولون فی شانہ انہ صادق والجواب عن الاول فائدة اظہار شرف نبینا علی سائر الانبیاء وعن الثانی ان المزکی للشاہد بعینہ یعتبر فی تصدیقہ الخبر الباطنہ و ہی ان یعلم باطن احوال الشاہد و ہذا ما قرر فی الفقہیات ولا یخفی ان المزکی اذا کان عالما بعقائد الشاہد و اعمالہ کان تزکیۃ اقوی و اشد اعتبارا والعلیم بعقائدہم اشارۃ الی امور العقلیہ والاستجماع المذکور

الاعمال یعنی ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم عالم بعقائد الانبیاء و
اعمالہم فلذا صار مزکیا لہم صلوات اللہ علیہم۔ (بیضاوی دوم ص ۸۸)
میں کہتا ہوں کہ یہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے نبی کو دیگر انبیاء پر
گواہ بنانے میں فائدہ کیا ہے دوسرے گواہوں کے صدق پر شہادت علم عقائد اور
محمدی شریعت کا دیگر شرائع کے جامع ہونے سے کوئی علاقہ نہیں۔ بلکہ صرف یہ جاننا
چاہیے کہ یہ جو شہادت دے رہے ہیں اس میں سچے ہیں، پہلی بات کا جواب یہ ہے
کہ اس میں ہمارے نبی کی شرافت و کرامت کا اظہار ہے دیگر انبیاء پر اور دوسری
بات کا جواب یہ ہے کہ شاید بعینہ کے تزکیہ و تصدیق میں یہ بات ضروری ہے کہ
مزکی شاید کے حالات باطنی کا بھی مشاہدہ کرے، اور یہ بات اہل فقہ کے نزدیک
ثابت ہو چکی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مزکی جب شاید کے عقائد اور اعمال کو
جانے گا تو اس کا تزکیہ اور زیادہ قوی اور معتبر ہوگا اور علم عقائد سے مراد امور
عقلیہ ہیں اور اجتماع مذکور سے مراد اعمال، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم انبیاء کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور تمام اعمال کو بھی، اس لیے آپ ان
تمام رسولوں کے مزکی ہو گئے۔ ان پر خدا کا سلام ہو۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مزکی ہونا تو شاید سے بھی بڑا مرتبہ ہے اور شاید
سے بھی زیادہ علم و عرفان چاہتا ہے، اور ہمارے سادہ لوح مخالف اپنے زعم میں
خوش ہیں کہ ہم نے شہادت کا انکار کر کے حضور کو حاضر و ناظر ہونے نہیں دیا، یہ تو
وہی ہوا۔

پچھلی سمجھ رہی ہے کہ لقمہ یہ ترملا صیاد کہہ رہا ہے کہ کاشا نکل گئی
النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم: اس آیت سے خیر الانبیاء میں یوں

استدلال کیا گیا ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ کے معنی
قریب تر کے لکھے ہیں۔ اس لیے حضور مؤمنین کی ہر آبادی خواہ وہ عالم بالا کی ہو یا
عالم ادنیٰ کی سبھی جگہ ہوئے۔ فاضل رحمانی اس پر دو اعتراض کرتے ہیں، اولاً تو یہ
معنی عام تفاسیر میں نہیں ہے، ثانیاً اگر اس کے معنی شاہ صاحب کی تفسیر کی بنا پر
قریب تر ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے پاس حضور ثابت ہوتا
ہے، اور حنفی دونوں عالم میں حضور کے قائل ہیں۔

اولیٰ کے معنی ضروری قرب مکانی کے ہیں۔ اس کے علاوہ جس مجازی معنی
میں مستعمل ہوگا، اس میں قرب کا معنی پایا جانا ضروری ہے، خواہ وہ قرب علمی ہو یا
تصریفی ہو، یا مقام کے مناسب کوئی اور قریب ہو، جیسا کہ مجاز کے بارے میں یہ
اصول طے ہو چکا ہے۔ اس لیے آیت مذکورہ میں دیگر تراجم کی بناء پر قرب مکانی
سہ سہی قرب علمی یا تصریفی ضرور ہوگا اور اتنا ہمارے مدعی کے لیے کافی ہے لیکن
والفضل ما شہدت بہ الاعداء خود فاضل رحمانی سے ایک ایسا جملہ نکل گیا ہے
جو ہمارے مدعی کو ثابت کرتا ہے، آپ لکھتے ہیں یعنی حضور مؤمنین پر ان کی جانوں
سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور جب حضور کو آپ نے متصرف مان لیا تو یہ
بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور کو ہر ایک مومن کا واضح علم ہے، کیونکہ تصرف کے
لیے تقدیم علم ضروری ہے اس طرح فاضل رحمانی نے نادانستہ حضور علمی کو تسلیم کر لیا۔
رہ گیا آپ کا یہ اعتراض کہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ یہ غایت جہالت اور لا
علمی پر مبنی ہے کیونکہ مومنوں سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں حتیٰ کہ کافروں کے
کندوں پر بھی کرامات کا تہن ہوتے ہیں جو مومن ہیں، اسی طرح عرش و فرش زمین و
آسمان کا کون سا حصہ ہے جہاں جن و ملک یا انسان نہیں۔

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین: اس آیت سے نکتہ استدلال یہ تھا کہ سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو اس آیت میں خدا نے اپنی ذات کے علاوہ سارے عالم کے لیے رحمت بتلایا ہے، اس لیے آپ کا تعلق ہر ایک سے ہونا چاہیے لیکن اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تعلق کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ آپ سب کے عالم بھی ہوں، اس لیے دوسری آیت وسعت رحمۃ کل شئی سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ رحمت سب کو گھیرے بھی ہے یہاں یہ خیال کرنا کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں لیکن اللہ کی رحمت نہیں اور آیت میں رحمتی یعنی اللہ کی رحمت کا ذکر ہے، نری جہالت ہے، لیکن فاضل رحمانی کو اسی جہالت پر فخر ہے، یہاں بھی وہ اعتراض کرتے ہیں۔ دو۔

۱۔ قرآن میں چودہ معنی رحمت کے آئے ہیں جن میں کوئی معنی حضور کی ذات نہیں وہ معنی یہ ہیں اسلام، ایمان، جنت، بارش، نعمت، نبوت، قرآن، رزق، مدد، فتح، عافیت، کشاکش، مغفرت، عصمت لہذا رحمتی سے مراد آیت ورحمتی وسعت کل شئی میں حضور کی ذات نہیں ہو سکتی کہ رحمت کے یہ معنی نہیں۔

۲۔ اگر ہم رحمت کے معنی حضور کی ذات بھی لے لیں تو چونکہ دونوں آیتوں سے شکل اول بنتی ہے، اور یہ صحیح نتیجہ اس وقت دے گی، جب حد اوسط متحرک ہو، اور یہاں حد اوسط صغریٰ میں رحمت عالم ہے، اور کبریٰ میں اللہ کی رحمت لہذا یہ شکل صحیح نہیں اور نتیجہ بھی درست نہ ہوگا۔ بمصداق

آنکھ والے ترے جلوں کا تماشا دیکھیں

دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

فاضل رحمانی نے یہاں اپنی نقدان بصیرت کا ثبوت دیا ہے، ورنہ جو شخص کسی طرح یہ معلوم کر سکتا ہے کہ پورے قرآن میں چودہ جگہوں پر چودہ معانی کے لیے

لفظ رحمت کا استعمال ہوا ہے، وہ اس پندرہویں جگہ کو چھوڑ دے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکلتی ہو۔

نور کیمیتی فردوز چشمہ حور زشت باشد چشم موشک کور

کیا زیر بحث آیت و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین میں حضور کی ذات اقدس پر رحمت کا اطلاق نہیں ہوا ہے، اگر ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے پھر دیدہ و دانستہ اس سے اعراض کر جانا صریح بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے ایمان داری سے کام لیتے ہوئے ان چودہ معانی پر ایک اور کا اضافہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان میں کون اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وسعت رحمۃ کل شئی کے تحت آ سکے۔

اسلام کبھی بھی ہر شے کو گھیرے نہیں ہے، یونہی ایمان کی دولت سے لاتعداد اشیاء محروم ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں جنت کا دروازہ کافروں کے لیے بند ہی رہے گا، بارش بھی آسمان پر نہیں ہوتی نعمت ایسا لفظ ہے جو رحمت کے ہم معنی ہے، نبوت کے اہل معدود حضرات ہیں، اور قرآن کے گھیرنے کے معنی اگر یہ ہوں کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی اور حضور ثابت ورنہ احاطہ ممنوع، رزق غیر مرزوق کو گھیر نہیں سکتا، مدد مغضوب علیہم کی نہیں ہو سکتی، عافیت سے پریشان حالوں کا کاشانہ خالی ہے، مؤدت کی اہل کتنی چیزیں نہیں ہیں، کشاکش کا دامن بھی سارے عالم کو گھیر نہیں سکتا۔ مغفرت سے مشرکین قطعاً تہی دامن ہیں۔ عصمت و حفاظت بھی بے شمار اشیاء کے لیے نہیں، پھر وہ رحمت کونسی ہے جو معنی مطابقی کے ساتھ سب کو گھیرے ہو۔ ہم چیلنج کرتے ہیں فاضل رحمانی کو کہ وہ ثابت کریں ان چودہ معانی میں کسی ایسے معانی کو جو سارے عالم کو گھیرے ہو آپ نے رزق مراد لیا ہے، لیکن سوچنا چاہیے تھا کہ رزق کے احاطے سے نباتات جمادات خارج ہیں، کیونکہ رزق اس چیز کو کہتے ہیں جس سے

حیوان اشقاع حاصل کر سکے۔

اگر کوئی رحمت سارے عالم کو گھیر سکتی ہے تو وہ ذات گرامی ہے سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، اسی لیے صاحب مواقف حضرت مولانا العلام امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ موقف نواسی میں فرماتے ہیں۔

فان حقيقة صلى الله عليه وسلم هو الرحمة التي وسعت كل شئ.

حقیقت مصطفویہ ہی وہ رحمت ہے جو سارے عالم کو گھیرے ہے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ اس دلیل میں حد اوسط متکرر نہیں لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں مگر اللہ کی رحمت نہیں۔ حضور خدا کی رحمت ہیں، اور ضرور ہیں پھر فاضل رحمانی کس منہ سے کہتے ہیں کہ حد اوسط متکرر نہیں۔ حضور رحمت عالم ہونے کے ساتھ ہی خدا کی بھی رحمت، اور خدا کی رحمت عالم کو گھیرے ہے لہذا حضور سب کو گھیرے ہیں۔ ہم نے ان دونوں آیتوں کو منطقی استدلال کی شکل میں پیش نہیں کیا تھا، لیکن آپ نے اس کو تسلیم کر کے اپنے کو پابند بنا لیا ہے، لہذا اس کا نتیجہ بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا، آپ خواہ مخواہ منطقی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے خیال میں خود اپنا ہی پیش کردہ وہ شعر۔

نہ ہر جائے مرکب تو اس تاخیر

کہ جاہا پیر باید انداختن

بار بار پڑھ کر اپنے سینے پہ دم کیجئے۔ اس مایوس لیا سے آپ کو نجات مل جائے

گی۔

احادیث

احادیث پر بھی فاضل رحمانی نے عجیب بے ہنگم اور لالچانی تبصرے کئے ہیں، ذیل میں نمونہ چند احادیث کو پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے فاضل رحمانی کے علمی افلاس و سفلہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔

فتحلے لی کل شئ و عرفت: اس حدیث کی شرح میں مرقاة شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

فعلمت ای سبب وصول ذالک فیض ما فی السموات والارض عبادة عن سعة علمه وقال ابن حجر جميع الكائنات التي فی السموات بل و ما فوقها و جميع ما فی الارض السبع.

پس جان لیا میں نے اس وصول فیض کے سبب سے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ تعبیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی۔ ابن حجر کا قول ہے کہ جو آسمان کے اوپر ہے اور اس میں ہے، وہ سب کائنات اور ساتوں زمین میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ المعانی میں فرماتے ہیں۔

پس دانستم ہرچہ درز مبینہا و ہرچہ در آسمانہا بود،

عبارت است از حصول تمامہ علوم کلی و جزئی۔

پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ عبارت ہے حصول سے تمام علوم کلی و جزئی کے۔

اور علامہ طبیبی کا بھی یہی خیال ہے، مذکورہ تصریحات علماء کی روشنی میں روایت کا مطلب یہی ہوا کہ حضور کو ایک رات خواب میں ایک خاص قسم کا وصول

فیض ہوا، جس کے سبب آپ نے سارے عالم کو دیکھا، چاہا، پہچانا، یہ وصول فیض اور حصول علم کلی و جزئی صرف خواب کی حالت تک رہا، اور آپ جب بیدار ہوئے، تو معاذ اللہ وہ سارا علم و عرفان آپ سے چھین لیا گیا۔ یہ دعویٰ انتہائی جی داری اور بے پناہ جہالت ہے، کیونکہ حدیث کے کسی لفظ سے نہ تو یہ معنی مترشح ہوتا ہے، نہ ہی کسی معتبر حدیث داں عالم نے اس کے یہ معنی بتائے، لیکن براہو فاضل رحمانی کا جنھوں نے عداوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں حدیث کے یہ معنی گڑھے اور اس کو بڑے طمطراق سے بیان کیا، افسوس۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ نقیبان حرم بے توفیق آپ لکھتے ہیں ”چونکہ حضور اس واقعہ کو خواب کا بیان فرما رہے ہیں جو ایک خاص وقت ہے لہذا یہ قضیہ وقتیہ ہوا، مطلب یہ ہوا کہ اس خاص وقت میں یہ بات تھی کہ قدرت نے اپنا ہاتھ حضور کے سینہ پر رکھا تجلی ہوئی، سب روشن ہو گیا خواب کے بعد نہ وہ ہاتھ رکھنا نہ وہ روشنی نہ عرفاں۔“ عیاذ باللہ اگر یہ خاص وقت کا عذر لنگ قابل اعتبار ہو تو ایک شخص بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مخالف علامہ عبدالرؤف نے جابل، کپے بدھو، گھامڑ ہیں، اور ان کی فضیلت علمی کی ساری سندیں اور عالم تعلیم کی ساری کوششیں، بیکار، حرف غلط اور نقش بر آب ہیں، کیونکہ اپنے ماں کے شکم سے تو تمام علم لے کر آئے نہیں، لامحالہ ان کے جس استاد نے جب بھی ان پر ہاتھ رکھ کر یا ڈنڈا رکھ کے جس طرح بھی تعلیم دی ہوگی، وہ کوئی نہ کوئی خاص وقت ضرور ہو گا لہذا یہ قضیہ (دلی یا کسی جگہ سن فلاں میں عبدالرؤف خاں نے پڑھا) وقتیہ ہوگا۔ اور وقت خاص گزرنے کے بعد نہ تعلیم نہ تعلم، ہمارے مولانا دیسے ہی رہے جیسے گئے تھے۔ چلو اللہ اللہ خیر صلا، شاید آپ ہی کے لیے سعدی شیرازی نے کہا تھا۔

مک بد ریائے ہفت گانہ بشو چونکہ ترشد پلید تر باشد
فریسی گرش بمکہ برند چوں بیاید ہنوز خر باشد
واہ مولانا واہ بارہ برس تک دلی رہے بھاڑی جھونکا کئے۔

اس حدیث میں مستند علمائے حدیث کے خلاف اتنی بڑی جہالت کا مایہ خیر یہ ہے کہ وہابیوں نے غلطی سے خدا کے لیے بھی اپنے ہی جیسا ہاتھ سمجھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آدمیوں جیسا ہاتھ کسی کے سینہ سے ہمیشہ چپکا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو بقول فاضل رحمانی خدا کا ہاتھ بھی آپ کے سینہ سے جدا ہو چکا تھا۔ اور حضور نے خواب میں جو کچھ جانا پہچانا تھا سب بھول چکے تھے۔ ورنہ اس تشبیہ کا کیا مطلب کہ خواب میں حضور کے سینے پر خدا کا دست قدرت رکھنا ایسا ہی ہے جیسے پڑی کی روشنی، وہ اسی وقت اجالا دیتی ہے جب پیچھے والا ڈھکن بھی اس میں لگا ہو، جہاں وہ ڈھکن جدا، روشنی بھی غائب، بخلاف اس کے علمائے اسلام کا یہ خیال ہے کہ ”ہاتھ رکھنے سے مراد“ وصول فیض ہے، یعنی عالم خواب میں خدا کی طرف سے فیض پہنچا۔ اور آپ نے احاطہ علوم کلی و جزئی کیا سب کچھ آپ پر روشن ہو گیا۔

فان من جودک الدنیا وضررتها

ومن علومک علم اللوح والقلم

ایک دلچسپ گرفت: یہاں فاضل رحمانی نے ایک بڑی دلچسپ قلا بازی کھائی ہے یہ امر تو واضح ہے کہ آپ اسی حضور و علم کو جس کے ہم قائل حضور کے لیے ہیں خدا کی صفت خاصہ قرار دیتے ہیں، اور آیت لیس کمثلہ شی سے اس صفت خاصہ کی نفی غیر خدا سے کرتے ہیں، فصعلی لی کل شی سے اسی کو ہم نے حضور کے لیے ثابت بھی کیا، اور فاضل رحمانی اسی کو گو حالت خواب ہی میں، گو

بطریق معجزہ ہی، گو تھوڑی ہی دیر تک حضور کے لیے ثابت مانتے ہیں، اور اس کے بعد زوال کے قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا چند منٹ کے لیے ہی خدا کی کسی صفت خاص کو کسی مخلوق کے لیے ثابت ماننا شرک نہیں۔ کیا ایک آدھ گھنٹے کے لیے کوئی شخص معبود ہو سکتا ہے، گو بطور معجزہ ہی سہی، اگر نہیں تو آپ نے بطور معجزہ عالم خواب میں علم الہی (بقول آپ کے) حضور کے لیے ثابت مان کر شرک کیا یا نہیں، اور ہم کو شرک کہتے کہتے خود شرک ہوئے کہ نہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برہمی تان کر اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر
رفع لی الدنيا فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها: اس
حدیث کے بارے میں فاضل رحمانی نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔
فاضل مذکور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ بڑے طمطراق سے دیتے ہیں، لیکن آپ کی حیلہ
جو آنکھ یہودیوں کی طرح ہمیشہ ایسے حوالے کھا جاتی ہے جو آپ کے مفید نہ ہوں،
اسی میں آپ کو یہ صحیح حدیث نظر نہ آئی، جو حدیث مذکور کے متابع ہے، اور اس کو
صحت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔

ان الله قد ذوى لى الارض فرأيت مشارقها ومغاربها
لا تسئلونى عن شى الا اخبركم: بے شک خدا نے میرے لیے زمین
کو لپیٹ دیا کہ میں نے اس کے ہر حصے کو دیکھا۔ اس حدیث سے استدلال یہ تھا
کہ حضور فرماتے ہیں۔ جو تم پوچھو گے بتاؤں گا، عربی میں نکرہ تحت نفی مفید استغراق
ہے، اس لیے حضور نے اپنے اس قول میں ہر شے کے بتانے کا دعویٰ کیا۔ اگر آپ
کو علم نہ ہوتا تو حالت غضب میں ہی سہی آپ خلاف واقع دعویٰ نہ کرتے۔

میاں رحمانی نے بڑی کوشش اس بات کی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
حالات غضب میں یہ قول فرمایا تھا، اس لیے معاذ اللہ! یہ خلاف واقع بات آپ

کے منہ سے نکل گئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور (خاک بدہن گستاخ) کیا حالت غضب میں بھی
کسی جھوٹی بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ تو پوری تاریخ اسلام ہمیں اس کی شہادت
دیتی نظر آتی ہے کہ حضور نے کبھی حالت غضب میں بھی خلاف واقع بات نہ کی۔

عن عبد الله بن عمر وقال كنت اكتب كل شى اسمعه من
رسول الله صلى الله عليه وسلم اريد حفظه فنهى القریش وقالوا
اتكتب كل شى و رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئ يتكلم فى
الغضب والرضا فامسكت عن الكتاب فذكرت لرسول الله صلى الله
عليه وسلم فاما باصبعه الى فيه فقال اكتب فوالذى نفسى بيده ما
يخرج منه الا الحق. (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر اس بات کو جو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلتی لکھ لیتا کہ یاد کروں گا قریش نے
مجھے منع کیا کہ تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی ہیں
جو کبھی غصہ میں کلام کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں، تو میں یہ سن کر رک گیا اور لکھنا
چھوڑ دیا، پھر حضور سے اس کا تذکرہ کیا پس آپ نے اپنی مبارک انگلیوں سے
اپنے پاک منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا لکھ لیا کرو، قسم اس ذات کی جس کے
قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے تو حق ہی نکلتا ہے۔

علامہ رحمانی کہتے ہیں۔

”سوال سے منع کرنے کے لیے حالت غضب میں آپ نے سلونی سلونی
فرمایا۔ جس کا مطلب کثرت سوال سے روکنا تھا۔ لہذا کثرت سوال کا جواز نکلا ہی
نہیں کہ کثرت اخبار ثابت ہو، اور اس سے کثرت علم پر استدلال کیا جائے۔“

ہم کہتے ہیں کہ عدم اخبار عدم علم کو مستلزم ہی نہیں، پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کثرت اخبار سے کثرت علم ثابت کر رہے ہیں، قبلہ ہمارا استدلال لا تسئلونی عن شئی الا نبینا کم سے ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جملہ حضور نے علم ہونے پر کہا یا بغیر علم کے؟ اور گو حالت غضب میں ہی سہی، وہ صدیق و امین جھوٹ نہیں بول سکتا، اس لیے یہ ادعاء پر بنائے علم ہے، اور دعویٰ ہر شے کے علم کا ہے لہذا کثرت علم ثابت، اس لیے عدم اجازت سوال کی یہ ساری موشگافیاں بقول آپ کے پادر ہوا ہیں اور آپ ان پر بھروسہ کرنے والے۔

ہائے جب میاد نے پھونکا ٹیشن کو میرے جن پہ نگیہ تھا وہی پتے ہوا دیے گئے فاضل رحمانی ترقی کر کے کہتے ہیں، اگر ہم یہ استدلال صحیح مان لیں تو یہ قضیہ مشروط ہوگا، اور حضور کا یہ اخبار قیام منبر تک کے لیے، اس لیے آپ کا یہ اخبار اتنی ہی دیر ہوگا جتنی دیر آپ منبر پر رہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کی مراد اس تقریر سے کیا ہے۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیام منبر تک اخبار تو قیام منبر تک علم، اور جب اخبار ختم تو علم ختم اگر یہ صحیح ہے تو غالباً معاذ اللہ خدا کو بھی آپ ان علوم سے جا مل مانتے ہوں گے جن کی خبر قرآن میں اس نے دی ہے کہ اخبار ختم ہوتے ہی ان کا علم بھی ختم ہو گیا علاوہ ازیں اگر قیام منبر تک اخبار محدود ہے تو علم کو آپ کیسے محدود کر رہے ہیں اس کے ثبوت کے لیے آپ کو کوئی اور دلیل لانی ہوگی، یہاں پھر وہی سوال ہے کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں کوئی حرج تصور نہیں کرتے۔

یسخبر کم بما مضیٰ وما ہو کائن: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ماکان و مایکون کی خبر دیتے ہیں۔ فاضل رحمانی کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ۔

ما مضیٰ میں اور ماکان میں لفظ ماعام نہیں ہے، کیونکہ اگر عام مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام بھی اس علم میں آپ کے شریک ہوں، اور ان کو بھی حاضر ناظر کہا جائے، نیز آیت و علمکم مالکم تکن تعلم میں بھی اگر ماعام ہو تو اس آیت میں جو بندوں کے لیے ہے یعلمکم مالکم تکنوا تعلمون میں بھی ماعام ہوگا۔ اور اس تقریر پر حضور اور سارے امتی حاضر ناظر ہوں گے۔

یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے کہ وہ بات جس کے ہم قائل نہیں اس کو ہمارے سر تھوپا جائے، ہم نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ماصرف عموم کے لیے ہی آتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ آیت و علمکم مالکم تکن تعلم اور حدیث ما مضیٰ و ما ہو کائن میں ماعوم کے لیے ہے، کیونکہ ما کے بارے میں یہ اصول طے ہے کہ اصل وضع میں عموم کے لیے ہے، اور اس سے پھیرنے کے لیے قرینہ صارفہ کی ضرورت ہے۔ اگر آیت و یعلمکم مالکم تکنوا تعلمون میں امت کے اس اجماعی مسئلے کی وجہ سے ماعام نہیں ہے تو آیت و علمکم مالکم تکن تعلم میں اصل معنی سے پھیرنے والی کون سی چیز ہے، آپ دیکھتے نہیں ان اللہ بکل شئی علیم میں لفظ کل کے استغراق میں خدا بھی داخل ہے حالانکہ ان اللہ علی کل شئی قدید سے خارج ہے۔

حدیث پر آپ کا یہ اعتراض کہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور انھوں نے جن جن کو بتایا سب حاضر ناظر ہو جائیں۔ کامل عیاری اور حدیث سے عدم واقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، عیاری تو یہ کہ بڑی چالاکی سے آپ نے صحابہ کرام کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ عوام سمجھیں کہ تمام صحابہ کرام حاضر ناظر ہو گئے، اور اگر واقعی کم کی ضمیر سے جمع صحابہ کا استغراق مراد لیا ہے تو ہم کو آپ کے اس فراخ دلی پر یہ مثل یاد آتی ہے۔ میٹھا میٹھا ہپ ہپ۔ کڑوا کڑوا۔ تھو تھو، کیونکہ کہاں تو ما کے عموم

سے انکار اور کہاں ضمیر خطاب کو لفظ استغراق بنا ڈالا۔ اور اگر بعض صحابہ مراد ہیں تو ان کو علم ماکان و مایکون ہے اس سے کس کو انکار ہے، یہ حدیث صحیح کا مضمون ہے۔
عن عمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما،
فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم، حفظ ذالک من حفظ ونسبه من نسبه، (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۰۶)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کے حالات بیان کرتے ہوئے یہاں تک بیان کیا کہ جنت والے اپنی جگہ اور دوزخ والے اپنی جگہ پہنچ گئے، (یعنی ازل سے ابد تک سب بیان کیا) جس نے یاد رکھا، یاد رکھا۔ جو بھول گیا بھول گیا۔

عن عمرو بن الخطاب الانصاری قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فترک وصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القيامة فاعلمنا احفظنا۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۳۳)

ایک دن حضور نے ہم کو نماز صبح پڑھائی پھر منبر پر جا کر ظہر تک بیان کرتے رہے پھر اتر کر نماز ظہر پڑھائی اور منبر پر جا کر عصر تک بیان کرتے رہے۔ اتر کر عصر پڑھی، پھر منبر پر جا کر غروب آفتاب تک بیان کیا اور پورے دن میں قیامت تک ہونے والی سب باتیں بیان کر دیں۔ اور آج ان باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہی سب سے بڑا عالم ہے۔

رہ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے علم کے برابر ہونے کا سوال یہ

ایک عام سرمایہ جہالت ہے جو حضور کے علم پر بھی وارد کیا جاتا ہے کہ اگر حضور ماکان و مایکون کے عالم ہوں تو لازم آئے گا کہ آپ کا علم خدا کے علم کے برابر ہو جائے۔ اب ان گم کردگان راہ کو کون بتائے کہ ماکان و مایکون کے علاوہ اور کتنے علوم ہیں جن کو حضور جانتے ہیں اور آپ نے ان کو صحابہ کرام کو نہیں بتایا۔ یونہی حضور کے سارے علوم کے بعد بھی ذات الہی کے لیے اتنا علم بچ رہتا ہے جس کے مقابلہ میں حضور کا کل علم ذرے کے کروڑوں حصے کے برابر بھی نہیں۔

اختصار

یہاں تک ہم نے جن باتوں کو اہم سمجھا ہے ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا ہے، اور اس کے علاوہ فاضل رحمانی نے جو کچھ کہا ہے، جاہلانہ معارضوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر جلد دوم کی ساری بحث کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کو دو قسم کے معارضے ملتے ہیں۔

(۱) وہ آیات و احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً:
آیات:

(۱) قل لا اقول لكم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب.

(۲) قل لا يعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله.

(۳) لو کنت اعلم الغیب لا مستکثرت من الخیر.

(۱) اے حبیب کہہ دو کہ نہ تو میں اپنے پاس خزانہ الہی ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، نہ عالم غیب ہونے کا قول کرتا ہوں۔

(۲) اے حبیب کہہ دو کہ آسمان و زمین میں سوائے خدا کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۳) اگر میں غیب جانتا تو بہت ہی بھلائی جمع کر لیتا۔

حدیث

(۱) انک لا تدری ما احد ثوابعدک. (مشکوٰۃ ص ۴۸۸)

(۲) فی خمس لا یعلمهن الا الله. (مشکوٰۃ ص ۱۱)

آپ نہیں جانتے؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

(۳) وہ واقعات جن سے وہابی منطق میں عدم علم کا ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حضور حاضر و ناظر تھے تو حضرت حمزہ شہید رضی اللہ عنہ کو وحشی کے حملہ سے کیوں نہ بچالیا، یا خود حضرت عائشہ کی برأت کیوں نہ ظاہر فرمائی۔ وحشی الہی کا انتظار کیوں کیا۔ وغیرہ وغیرہ

خیر الانبیاء میں فاضل مولف نے ان توہمات فاسدہ کے اجمالی اور تفصیلی دونوں جواب اتنے مثالی دیئے ہیں کہ مزید تشریح اور وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں اور فاضل رحمانی اگر آدمی ہوتے تو شرم و حیا سے کام لیتے۔ اور جیسے پانچ سال صبر کیا اور صبر کرتے، بات آئی گئی، ہو گئی تھی، لیکن ان کو کچھ اور یہ الہی طمانچہ کھانے تھے اس لیے بول اٹھے اور۔

بے حیاباش ہرچہ خواہی کن، پر عملدرآمد شروع کر دیا۔

ہم نے حتی الامکان بحث کو سینے کے لیے ساری ہفتوات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور غیر ضروری متعلقات سے قصد اغماض کر کے صرف مجموعی جواب پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ ہمارا جاہل مخالف غیر ضروری تفصیل میں پڑ کر اصل مقصد پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

آیات کے مقابلہ میں آیات: مذکورہ بالا آیتوں کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل آیتیں قابل ملاحظہ ہیں۔

وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک

عظیماً۔ (پ ۵ آیت ۱۱۳)

آپ کو خدا نے وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے، اور آپ پر خدا کا بڑا

فضل ہے۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء۔ (سورہ نحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر شی کا واضح بیان ہے۔

عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضیٰ من
رسول۔ (سورہ جن: ۲۶)

خدا عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ
رسول کے۔

لا یحیطون بشی من علمه الا بما شاء۔ (سورہ بقرہ: ۱۵۵)

اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

ماکان اللہ لیطلعمکم علی الغیب ولكن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من
یشاء۔ (سورہ آل عمران: ۱۷۹)

خدا تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، لیکن جس رسول کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جس طرح علم غیب کی نفی

ہے۔ ان آیتوں میں اس کا ثبوت ہے، اصول تطبیق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری

ہے کہ پہلی آیتوں میں جس غیب کی نفی ہو وہ اس کے علاوہ ہو، جو دوسری آیتوں میں

حضور کے لیے ثابت ہو، اس لیے امر میں ”اہل سنت“ اور ”وہابیہ“ دونوں متفق

ہیں، جہاں ثبوت ہے وہاں بعض مراد ہیں اور جہاں نفی ہے وہاں کل، کیونکہ کسی سنی

عالم کے قول یا تحریر سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی سنی عالم علم خدا اور علم نبی کو

برابر کہتا ہو۔

جہاں جہاں بھی ”اہل سنت“ نے حضور کے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا ہے وہ جمع

ماکان و ما یکون تمام اشیاء یا بالفاظ دیگر ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک

وہابیہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف اور متعارض رہے ہیں کبھی مطلقاً علم غیب کی نفی

کرتے ہیں اور کبھی بعض علم غیب ثابت کرتے ہیں۔ مزید ۱۲

ہے، پھر کون بے وقوف کہہ سکتا ہے کہ تمام اشیاء کا علم بالفاظ دیگر کل علم علم الہی کا
بعض نہیں ہے۔

ما بہ النزاع: اصل جھگڑا یہ ہے کہ اہل سنت اس بعض کو جس کا ثبوت

قرآن سے ہے اتنا وسیع مانتے ہیں کہ کونین کی ساری وسعت اس میں سما جائے اور

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل رحمانی نے اپنی نادانی سے

مولانا عتیق الرحمن صاحب پر اعتراض کیا ہے کہ کہیں حضور کو جمیع ماکان و ما یکون کا علم

مانتے ہیں اور کہیں بعض، گویا ان بے دال کے بودم کے نزدیک علم جمیع اشیاء اور علم

بعض میں منافات ہے اور ان کو خبر نہیں کہ علم جمیع انباء یا علم ماکان و ما یکون اور علم کل

بعض ہی ہے علم الہی کا کیونکہ علم الہی غیر متناہی اور علم ماکان و ما یکون متناہی، اور متناہی

غیر متناہی کا بعض ہی ہوتا ہے۔ دیکھو امام رازی تفسیر کبیر میں تحت آیت و احاط بمما

لدهم و احصی کل شی عدد کے فرماتے ہیں۔ قلنا لا شک ان احصاء

العدد انما یکون فی المتناہی، فاما لفظ کل شی فانہا لا تدل علی کو نہ

غیر متناہ لان الشی عندنا هو الموجودات والموجودات متناہیہ فی

العدد، احصاء فی العدد متناہی میں ہوتا ہے، اور لفظ کل شی متناہی ہے کیونکہ موجودات

ہیں، اور موجودات متناہی ہیں، پھر یا تو علم الہی کو متناہی مانو یا علم کل شی کو علم الہی کا بعض،

بندہ پرور۔

ہنوز طفلی و از نوش و تیش بے خبری

چہ علم خویش کہ از جہل خوش بے خبری

ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ علم کل یا علم بعض ایک ہی چیز ہے، جو حضور کی صفت ہے۔

اس کی ایک سرحد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے وجود کی ابتداء ہوتی ہے اور دوسری سرحد وہاں ختم ہوتی ہے جب اس کائنات کی عمر ختم ہوتی ہے، برخلاف اس کے اہل نجد وہاں ہایت ان چند جزئیات کا علم مانتے ہیں، جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ہے، یا کچھ اس کے علاوہ بھی، باقی (معاذ اللہ) حضور کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں، دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، اپنی ازدواج کی پاک دامنی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں، آپ کے امتی جو کچھ کریں خواہ نیک خواہ بد اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں (و غیر ذالک من الخرافات) مزید برآں وہ چند باتیں بھی اب غیب نہیں رہ گئیں، کیونکہ جو چیز بتا دی جائے وہ غیب نہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے غیب کا علم ہی نہیں۔

مقام غور: علمائے اہل سنت کا قول ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ حضور کو چند باتوں کا علم تھا۔ تطبیق نام نہیں ہو جاتی، اس لیے کہ جن آیات سے ثبوت علم ہے ان میں تیسرا لکل شی اور علمک مالک تکن تعلم آیا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس بعض کو اتنی وسعت دی جائے کہ تمام اشیاء ان میں آجائیں، رہ گیا اس پر یہ سوال کہ لازم آئے گا کہ خدا اور نبی کا علم برابر ہو جائے، تو یہ فقدان بصیرت کی پیداوار ہے، کیونکہ بے شمار فرق خدا اور بندے میں موجود ہیں۔ بندے کا علم متناہی کہ ابتدائے آفرینش سے انتہائے دنیا تک ہے، اور خدا کا علم غیر متناہی، جس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں، خدا کا علم قدیم، بندے کا علم حادث، بندے کا علم عطائی، خدا کا علم ذاتی، بندے کا علم حصولی کہ پہلے نہ تھا غیر سے حاصل کیا اور حصول کے بعد بھی ذہول ممکن۔ خدا کا علم حضوری کہ طرفہ عین کے لیے بھی اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ پھر ان تمام امتیازات کے باوجود کون بے وقوف ہوگا، جو خدا اور بندے کا علم یکساں اور برابر بتائے گا، اس لیے علم ماکان و

ہاں مانتے پر بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

غیبِ تعلیم کے بعد بھی غیب ہی رہتا ہے: ہاں یہ خیال کہ تعلیم کے بعد علم غیب شہادت ہو جاتا ہے، غیب نہیں رہتا، اندھے کی لالچی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ اس کی تائید آیت، یا حدیث یا لغت وغیرہ سے نہیں ہوتی، برخلاف اس کے قرآن بار بار انھیں واقعات کو جن کی تعلیم کر چکا ہے من انباء الغیب نوحیہ ایک کہہ کر اعلان کرتا ہے کہ تعلیم کے بعد بھی وہ غیب ہی رہتا ہے۔

علم غیب اور معجزہ میں منافات نہیں: علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، النبی هو المطلع علی الغیب، نبی مطلع علی الغیب کو کہتے ہیں اور لغت میں نبی کے یہی معنی ہیں، ان امور کی روشنی میں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ بتا دینے کے بعد غیب نہیں رہ جاتا، اور اس سے بھی بڑی جہالت یہ ہے کہ حضور نے جن امور کی خبر دی وہ علم غیب نہیں بلکہ از قسم معجزہ ہے گویا علم غیب اور معجزہ میں منافات ہے کہ کوئی معجزہ علم غیب نہیں ہو سکتا اور کوئی غیب معجزہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ہر خرق عادت جس کا ظہور نبی سے ہولنا معجزہ ہے، اور غیب کی خبریں دینا ضرور خرق عادت ہے ہم فاضل رحمانی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کہیں سے بھی خرق عادت یا معجزہ اور علم غیب میں منافات ثابت کریں اور اپنے مولوی ہونے کی لاج رکھ لیں ورنہ سوچ سمجھ کر بولنے اور لکھنے کی عادت ڈالیں!

اول اندیش و آں گہے گفتار پائے پیش آمدست پس دیوار

علم غیب کی یہ بحث ناقص رہ جائے گی اگر فاضل رحمانی کی ان وحشت اثر وار کلیوں کا حال مذکور نہ ہوگا۔ جو انتہائی پاگل پن میں ان سے سرزد ہو گئی ہیں۔ تردید حاضر تا طرص ۲۳ پر لکھتے ہیں، نبی صاحب نبوت کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں غیب کی خبر دینا، اس کے بعد حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں پس نبی کے معنی ہوئے غیب کی خبر دینے والا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آیات کی بحث

مذکورہ بالا اصول کو مد نظر رکھ کر مولا نا عتیق الرحمن صاحب نے بھی ان آیتوں

اب تعریف ملاحظہ ہو، تفسیر کبیر میں ہے قول جمہور المفسرین ان الغیب هو الذی یکون غائبا عن الحاسة اور بیضاوی میں ہے الخفی الذی لا یقضیه بداهة العقل، فاضل رحمانی کی اتنی عبارت جو دیکھے گا اس سے یہی مطلب نکالے گا کہ نبی غیب کی خبر دینے والا اور غیب کا عالم ہے نیز یہ بھی کہ غیب اسی کو کہتے ہیں جو حاسہ سے غائب ہو اور جس کو بداہتہ عقل نہ جان پائے۔

یہاں تک بات صحیح کی لیکن اس کے فوراً ہی بعد بے ایمانی کی رگ جو پھر کی تو اپنی طرف سے ایسا اضافہ کیا جو ان کی نقل کردہ تصریحات کے خلاف ہے، فرماتے ہیں ”جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں“ اس عبارت میں اور اس سے پہلی عبارت اور حوالوں میں صاف تعارض موجود ہے کہ پہلی عبارت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی غیب کی خبر دیتا ہے اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کو جو چیز بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہے پھر نبی غیب کی خبر کیسے دے گا، نیز اوپر کے حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیب ہر وہ چیز ہے جو عالم سے غائب ہو۔ اور بداہتہ عقل جس کو نہ معلوم کر سکے، اور عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز اگرچہ عقل سے نہ معلوم ہو اور اگرچہ غائب عن الحاسة ہو بالفاظ دیگر بھلے ہی غیب کی تعریف اس پر صادق آتی ہو، لیکن جہاں خدا نے بذریعہ وحی اس کی تعلیم دی وہ غیب نہیں رہی، اب اس کا فیصلہ ہم علامہ رحمانی ہی پر چھوڑتے ہیں کہ امام رازی اور بیضاوی کی تعریف صحیح ہے یا آپ کی؟ آپ نے اپنی متاخر الذکر عبارت کے ثبوت میں قرآن کی آیت سے بھی کھیلنے کی جرأت کی ہے اور عالم بے خبری میں اس تعارض کو اور سنگین بنا دیا فرماتے ہیں عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احد الامن ارتضیٰ من رسول خدا معلوم اس آیت سے اس امر پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ جو بتانے سے معلوم ہو۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں جہاں بظاہر علم غیب کی نفی نکلتی ہے، مذکورہ بالا تطبیق اور بعض دیگر تاویلات جو

وہ غیب نہیں بلکہ اس سے تو یہی واضح ہے کہ خدا اپنے ہی غیب پر انبیاء کو مطلع کرتا ہے۔ تفسیر بیضاوی ص ۱۴۲۱ میں ہے فلا یظہر علی الغیب المخصوص بہ علیہ الامن ارتضیٰ معلوم بعضہ حتیٰ یکون له معجزة۔ خدا اپنے مخصوص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مخصوص رسولوں کے سوا کہ بطور معجزہ ان کو بعض کی اطلاع دیتا ہے اور اگر بالفرض فاضل رحمانی کا یہ استدلال مان بھی لیا جائے تو ان کو ان دو باتوں میں سے ایک کو صحیح ماننا ہوگا، اور دوسری کو غلط یا تو یہ کہیں کہ نبی غیب کی خبر نہیں دیتا یا یہ کہیں کہ جو بتانے سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی غیب ہے اور یہ دونوں ان کے لیے زہر ہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را

پھر اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے جمہور کی زبانی تعریف نقل کر کے اس کے برخلاف ایک اور تفسیر آپ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں الغیب ما لم یقسم علیہ دلیل ولا اطلع علیہ مخلوق، غیب وہ جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو، اور جس کو کوئی مخلوق نہ جانتا ہو، ان دونوں تعریفوں میں جو تعارض ہے وہ بھی فاضل رحمانی کی جان کو رو رہا ہے، عجیب مذاق ہے۔

تعارض کے پیچھے تناقض کا شور

تناقض کی دم میں تناقض کی ڈور

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں مالا دلیل علیہ اور مادلل علیہ، چنانچہ فاضل رحمانی نے تفسیر کبیر سے غیب کی جو تعریف نقل کی ہے اس کے آگے ہی یہ لکھا تھا قسم هذا الغیب ینقسم الی ما علیہ دلیل و الی ما دلیل علیہ یعنی غیب کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بتائی جائیں اور ایک وہ جو خدا کسی کو نہیں بتاتا لیکن چونکہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا کہ جو غیب بتانے سے معلوم ہو وہ بھی

علمائے تفسیر نے بیان کی تھیں، ”خیر الانبیاء“ میں تحریر فرمایا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ ان تمام آیتوں میں جہاں علم کی غیر خدا سے نفی ہے۔ ”ذاتی علم“

مراد ہے، اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں حضور نے تو اضعاف اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے، اور کچھ مقامات سے عدم علم کا ثبوت ہوتا ہی نہیں، بلکہ عدم دعویٰ اور عدم قول اور نہ تو عدم دعویٰ مفید عدم علم ہے، نہ عدم قول اور ساتھ ہی ان کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے تھے، جہاں سے ان کو نقل کیا تھا، اگر ان تاویلات میں کوئی سقم تھا تو ان مفسرین کی بھی کوتاہی تھی لیکن فاضل رحمانی نے اپنی جہالت کے زعم میں لایعنی اعتراض سے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، ہم ذیل میں فاضل مذکور کے اعتراضات اور ان کے جوابات نیز جہاں سے یہ تاویلات نقل کی گئی تھیں، ان کے حوالے لکھتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہمارے مخالف نے اپنی جہالت سے تفسیروں کا بھی مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔

ذاتی اور عطائی: فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق پر یہ اعتراض

(بقیہ) غیب ہی ہے اس لیے خیر الانبیاء میں پوری عبارت ہونے کے باوجود اس کو ایسا مضمون کر گئے کہ ملتوں کے بھوکے ہوں۔ لیکن یہ نگلی ہوئی ہڈی آنت میں پھنس گئی، اور باہم دو تقریفاتوں میں تعارض ہو گیا۔ حالانکہ اگر تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ دوسری عبارت اس غیب کی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس غیب کی نہیں جس پر دلیل ہو جو انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیب کی ایک قسم وہ بھی ہے جو بتانے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ہوائی قطعاً جھوٹ ہے ”جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں“۔ وہابیہ خدا ہم اللہ جب تمام حروب سے عاجز آجاتے ہیں تو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں، ”جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں“۔

ہے کہ تفریق بے معنی ہے کیونکہ آیت لو كنت اعلم الغیب لاستكثرت من السعير و ما مسنی السوء کے معنی اس تقدیر پر یہ ہوں گے اگر میں علم غیب ذاتی جانتا تو بھلائی جمع کرتا، اور مجھ کو برائی نہ پہنچتی، حالانکہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کے لیے مطلقاً علم کی ضرورت ہے، علم ذاتی اور عطائی کو اس میں کچھ دخل نہیں، کیونکہ جس طرح ایک شخص بولی سینا کی کتاب کا ذاتی علم رکھ کر مرض کو دفع کر سکتا ہے اسی طرح عطائی رکھنے والا بھی، اس سے معلوم ہوا کہ ذاتی اور عطائی کی تفریق بے کار ہے۔

ایں گل دیگر شگفت: یہ بحث فاضل رحمانی کی بے نور آنکھوں کو کچھ ایسی بھائی کہ اپنی کتاب میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے، اور ایک جگہ تو ترنگ میں آکر فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم پوچھا بھی کرو اور کہہ دو کہ حضور الہ اور معبود بالعطاء اور ان کی عطائی عطائی ہے۔ اب تک تو یہ سنا تھا کہ وہابیوں کا خدا جھوٹ ہی بول سکتا ہے، لیکن آج سے معلوم ہوا کہ ان کا خدا اپنی عطائی بھی دوسروں کو دے سکتا ہے۔ سبحان اللہ یہ علم اور تحقیق مسائل کا حوصلہ آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ معبود بالعطاء ممکن ہو گا، اور جو ممکن ہے وہ معبود نہیں، یا بالفاظ دیگر خدا کا اپنی عطائی دوسروں کو دینا محال ہے، وہ اپنی عطائی کسی کو دے ہی نہیں سکتا، اس لیے بالذات اور بالعطاء کی بحث وہاں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ بندہ پروردگار کچھ دن اور پڑھئے۔

بہر حال فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق سے انکار ہے، برخلاف اس کے علامہ ”خفاجی“ شرح شفاء میں، علامہ مناوی شرح جامع صغیر میں، ”شیخ ابن قاضی“ جامع الفصول میں، علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں، شیخ محمد شنوائی حاشیہ مختصر ابن جریر میں، امام رازی اپنی تفسیر میں اور علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں تصریح کرتے ہیں کہ۔

فيه دلالة على ان الغيب باستقلال لا يعلمه الا الله۔ (والفظ
نیشاپوری)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیب کا علم ذاتی سوائے خدا
کے نہیں۔

لیکن فاضل رحمانی کو ان تفسیروں اور اقوال کی کیا پرواہ، ان کو تو اپنی ابن سینا
والی اچھوتی دلیل اور مثال پر ناز ہے، اس لیے ہم اس کی بھی خبر لیتے ہیں۔ معلوم
نہیں ان کے دماغ میں گودا ہی نہیں یادداشت عقل وہاں کوچ کر جاتی ہے، جہاں ان
کی طرف پانی مرتا ہے، کیونکہ خود انھیں کے قول کے مطابق ابن سینا کی کتاب سے
فائدہ حاصل کرنا اور مرض سے بچنا، اگر ان کے علم ذاتی پر موقوف نہیں تو کسب خیر
اور عدم مہیسی ضرر کا علم غیب ذاتی پر موقوف نہ ہونا کہاں سے نکل آیا، کیونکہ خود
انھیں کا قول ہے۔ الجزئی لا یکون کما سبب ولا مکتسباً نیز یہ شاہکار جہالت
بھی قابل ملاحظہ ہے، کہ مرض کے علم اور ابن سینا کی کتاب کے پیدائشی علم کو علم
ذاتی بنا ڈالا، حالانکہ کسی مخلوق کو کسی بھی چیز کا علم ذاتی نہیں ہو سکتا، اور ان کی اس کی
تقریر پر تو تمام الہامات علم ذاتی ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کار پغلاں خراب خواہد شد
آیت میں علم ذاتی ہی مراد ہے: حقیقت یہ ہے کہ اگر ذرا بھی

دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ کسب خیر اور عدم مہیسی ضرر کا
لزوم علم ذاتی کے ساتھ ہی ہے علم عطائی کے ساتھ ہرگز نہیں، کیونکہ علم عطائی تو ایسا
ہے کہ کہیں اس کے مقتضا پر عمل ہوتا ہے اور کہیں نہیں، لیکن علم ذاتی ہی وہ شے ہے
جس کے مقتضی ہی پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے، بندوں کے تمام علوم عطائی ہیں، ایک شخص
کے راستہ میں ساپ تھا، اس کو علم نہ تھا، کسی نے بتایا وہ یہاں بچ گیا۔ یہاں علم

عطائی کے مقتضی پر عمل ہوا۔ دوسرے شخص کو جلاد باندھ کر بادشاہ کے حکم سے قتل گاہ
کی طرف لے چلا باوجودیکہ اس کو اپنے قتل ہونے کا علم وقوع سے پہلے ہی ہے اور
مساوقات مہینوں پہلے بھی اس کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس علم کی بناء پر قتل
ہونے سے نہیں بچ سکتا، یہاں علم عطائی کے مقتضی پر عمل نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے
ذاتی علم ہر شے کا صرف خدا کو ہے، اس لیے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی امر
میں (معاذ اللہ) خدا کو ضرر پہنچا، یا اس کا کوئی کام خیر سے خالی ہوا بنا بریں یہ دعویٰ
بالکل صحیح ہے کہ کسب خیر اور عدم مہیسی ضرر علم ذاتی ہی کو لازم ہے، اس لیے آیت
میں علم ذاتی کی ہی نفی ہے۔ ورنہ ”لو“ کی شرط و جزا میں لزوم باقی نہ رہے گا، جو
ضروری ہے۔

اعجاز و بلاغت اور ذاتی و عطائی: فاضل رحمانی کی یہ جہالت بھی
خوب رہی کہ آیت میں علم ذاتی مراد لینے سے قرآن کے اعجاز و بلاغت میں فرق پڑ
جائے گا، کیونکہ خازن میں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے آپ سے کہا
الا یخبرک ربک بالسعر الوعیص من قبل ان یغلو و بالارض التی
تسرید ان تعجب فترحل الی ماقد اخضب (یعنی آپ کا پروردگار کیوں آپ
کو چیزوں کا بھاد بڑھنے سے پہلے اور خشکی آنے سے پہلے اطلاع نہیں دیتا کہ آپ
وہاں سے کوچ کر جائیں) اس کے جواب میں یہ فرمانا کہ میں غیب ذاتی نہیں جانتا
نہایت مہمل ہے کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے بارے میں تھا ہی نہیں وہ تو مطلقاً
علم سے سوال کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم فاضل جھنڈے نگری سے پوچھ پوچھ کر
نازل ہوتا تھا، کہ دیکھئے آپ کے خود ساختہ معیار بلاغت پر پورا اترتا ہے یا نہیں
اولاً فاضل رحمانی کی اس تقریر کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ یقینی طور پر یہ ثابت ہو

جائے کہ اس آیت کی شان نزول کا فروں کا مذکورہ بالا سوال ہے حالانکہ فاضل رحمانی نے مذکورہ شان نزول کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کر دیں ہماری توجیہ پر اعجاز بلاغت کی حیثیت سے اعتراض بالکل بے معنی اور انتہائی جہالت ہوگا۔

چاہ کن را چاہ در پیش: اور اگر ہم اس شان نزول کو جوں کا توں تسلیم بھی کر لیں تو فاضل رحمانی کی الٹی آنتیں گلے آجائیں گی، اور جان بچانا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ سوال کے الفاظ یہ ہیں، الا یسخرک ربک اے رسول آپ کو آپ کا رب کیوں نہیں بتاتا، جواب یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا، ظاہر ہے کہ اس سوال و جواب میں کوئی مطابقت نہیں، اس طرح جو دلدل آپ نے ہمارے لیے تیار کیا تھا خود ہی اس میں کمر تک پھنس گئے۔

ثبوت بلاغت: اور اگر آپ کو بلاغت ہی کا شوق ہے تو سنئے، کفار نے حضور کی غیب دانی پر طنز کیا کہ اگر آپ غیب جانتے ہیں تو اتنی بات خدا سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ کب بھاؤ سستا ہوگا اور کب مہنگا، کہاں فراخ سالی ہوگی اور کہاں قحط پڑے گا، تاکہ تم اوروں کی طرح ان حادثات کے وقت مصیبت میں نہ رہو، تمہارے غیب جاننے کا کیا فائدہ، تم جو عالم ہو اور ہم جاہل ہیں، دونوں نفع و نقصان میں بسا اوقات برابر ہوتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیب جانتے ہی نہیں، خواہ مخواہ آسمانی خبروں کا دعویٰ کرتے ہیں، کفار کا حضور کے علم پر یہ اعتراض اسی قسم کا ہے جیسا آج کل کے وہابی کرتے ہیں، کہ اگر حضور عالم غیب تھے تو وہ فلاں مصیبت سے کیوں نہیں بچے، اس پر حضور نے قرآن کے الفاظ میں جواب دیا کہ یہ ملازمہ تو صرف علم ذاتی کو حاصل ہے کہ کبھی کب خیر اور عدم مسیس ضرر سے جدا نہیں ہوتا، اور میں علم ذاتی کا مدعی نہیں، میں تو علم عطائی کا دعویٰ کرتا

ہوں، جو قضا و قدر کے تابع ہے، اس لیے تمہارا میرے علم پر اعتراض بے جا ہے، ہاں اگر یہ خبریں ذاتی طور پر جانتا تو البتہ بھلائی جمع کر لیتا، اور ہر ضرر سے بچتا۔

ایک اور سوال کا جواب: یوں ہی قیامت کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ قیادہ کے قول کی بنا پر قریش اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قیامت کا وقت پوچھنا چاہتے تھے، حضور نے جواب دیا کہ اس کا علم ذاتی تو خدا ہی کے پاس ہے، جو اس میں تصرف کر سکتا ہے کہ بتلا دے، ہم زیادہ سے زیادہ اس کے امین اور تابع فرمان ہیں، اور جب حضور نے علم ذاتی کو خدا کی طرف منسوب فرمایا تو گویا آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ جانتے ہوئے بھی تم کو قیامت کی خبر نہیں دے سکتا، کیونکہ صاحب علم عطائی بغیر عطا کنندہ کے حکم کے اوروں کو نہیں بتایا کرتا۔ پس یہیں سے یہ سوال بھی ختم ہو گیا کہ جب کفار کے جواب میں حضور نے یہ کہا کہ مجھ کو ذاتی علم نہیں تو کفار پلٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم کو ذاتی عطائی سے بحث نہیں ہم کو تو قیامت کا علم چاہیے، کیونکہ علم ذاتی کا انکار ہی تعلیم سے معذوری ظاہر کرنا ہے۔

دوسرا جواب: اور بالفرض مان لیں کہ جواب سوال میں مطابقت نہیں لیکن اس سے کلام الہی کی بلاغت میں فرق نہ سمجھے گا، مگر وہ جس کی آنکھ پر وہابیت کا دھیز پردہ پڑ گیا ہو، کیونکہ علم بلاغت کی پہلی درسی کتاب تلخیص المفتاح اور اس کی شرح مختصر المعانی میں ہے۔

تلقى السائل بغير ما يطلب بتزليل سواله منزلة غيره اى غير ذلك السؤال تنبيهاً للسائل على انه اى ذلك الغير اولى بحاله او المهم كقوله تعالى يسئلونك عن الاهلة الخ۔

اور سائل کو اس کے سوال کے خلاف جواب دینا اس کے سوال کو دوسری چیز کے قائم مقام کرتے ہوئے، سائل کو تنبیہ کرنے کے لیے، کہ وہ غیر ہی اس کے

لائق ہے، یا اہم، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چاند کی حقیقت پوچھنے والوں کے جواب میں اس کے فوائد گنائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کبھی سوال کے خلاف جواب دے دیا جاتا ہے جو سائل کے مناسب اور اہم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ قرآن نے علم ذاتی کی نفی ہی یہاں اہم اور سائل کے مناسب حال قرار دی ہو، کیونکہ کفار، کاجنوں وغیرہ کے لیے علم ذاتی ہی کے قائل تھے، بہر حال علم ذاتی کی نفی ماننے پر بھی بلاغت قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تواضع کا مطلب: مولانا عتیق الرحمن صاحب کی اس تاویل کا جواب دیتے ہوئے کہ بعض آیتوں میں تواضع علم کی نفی کی گئی ہے، فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ۔

(۱) آیت قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب کے تحت علامہ خازن نے یہ لکھا ہے ان چیزوں کی نفی حضور نے اپنی ذات سے تواضع کی ہے، جیسا کہ خیر الانبیاء میں تحریر ہے، اگر حضور سے علم کی نفی تواضع کا یہ مطلب ہو کہ عالم تو تھے مگر ازراہ تواضع اپنی ذات سے علم کو دور فرمایا، تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتے ہونے کی نفی بھی حضور نے تواضع ہی کر دی ہو، اور حقیقت میں آپ فرشتے ہوں، حالانکہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

(۲) نیز یہ جواب کفار کے چیلنج کے مقابلہ میں ہے۔ پس یہ بات قطعاً سمجھ میں آنے والی نہیں ہم تو بار بار آپ کی غیرت اور علم کو چیلنج کریں اور آپ انکساری اور تواضع سے ہماری بات کا جواب نہ دیں، بلکہ اپنے عجز کا اعتراف کریں، یہی موقع تو اسلام کی شوکت ظاہر کرنے کا تھا۔

یہ بحث بڑی طویل ہے کہ اگر کسی آیت کی مختلف تفسیروں کی اگر کوئی عام تاویل

کی جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہرگز اس میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی ضروری ہے یا نہیں اور علامہ خازن نے آیت لا اعلم الغیب میں اگر غیب وغیرہ کی نفی تواضع کی، اور اس تواضع کا مطلب غیب میں یہ لینے پر کہ علم تھا مگر نفی کی، دیگر تفسیروں میں بھی یہی لینا پڑے گا یا نہیں؟ اس لیے طویل راستے سے قطع نظر کر کے علامہ خازن کی عبارت سے یہ بصراحت ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے علم غیب کی تواضع نفی کے بھی یہی معنی لیے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا، لیکن تواضع نفی کی۔

آیت ”لو کنت اعلم الغیب“ کے ماتحت بیان فرماتے ہیں۔

فان قلت قد اخبر صلی اللہ علیہ وسلم عن المغیبات وقد جاء احادیث بذلك وهو من اعظم معجزاته صلی اللہ علیہ وسلم فکیف الجمع بینه و بین قوله لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر، قلت یحتمل ان یکون قال ذلك علی سبیل التواضع والادب۔

اگر تم اعتراض کرو کہ حضور نے غیب کی خبر دی، پھر اس آیت اور ان احادیث میں جس میں اخبار بالغیب ہے تطبیق کیسے ممکن ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور نے ادباً اور تواضعاً کہا ہو۔

یہاں اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ حضور غیب جانتے ہیں پھر کیوں قرآن نے آپ سے غیب کی نفی کی، اور یہ اعتراض اس بات کو مان کر کیا گیا ہے کہ حضور کو علم غیب تھا، اور علامہ نے اس اصل کو تسلیم کر کے ہی جواب دیا ہے، اس لیے تواضع نفی علم کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ علم غیب جانتے ہوئے ہی نفی کی ہے، اب فاضل رحمانی کو اختیار ہے کہ اس تصریح کے بعد بھی انکار ہی کرتے چلے جائیں، یا کچھ بھی شرم و حیا کا لحاظ کریں، اور اعتراف کریں کہ تواضع علم کی نفی کا

مطلب علامہ خازن کے نزدیک انکار بر بنائے علم ہی ہے۔

نام معقول ایچ: یونہی چیلنج کے موقع پر تواضعاً علم سے انکار کو بھی نازیبا کہہ کر انکار کرنا فاضل رحمانی کی نام معقول ایچ ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب چیلنج کیا جائے، اس وقت بہر نوع جواب دینا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود جواب نہ دیا تو نازیبا ہے، لیکن اس اندھے کو یہ نہ معلوم ہوا کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کیونکہ خود اسی فاضل کے قول کے مطابق کفار نے حضور سے یہ سوال کیا لایس خبر کد یک یہ سوال حضور کے واسطے سے خدا سے ہی تھا کہ تمہارا رب تم کو آئندہ باتوں کی اطلاع کیوں نہیں دیتا۔ کم از کم خدا کے بارے میں یہ تو کبھی مانتے ہیں کہ خدا حضور کو آئندہ کی خبروں کے بتانے پر قادر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کفار کے اس چیلنج کے جواب میں خدا بھی وہی نازیبا (معاذ اللہ) بات کرتا ہے کہ چیلنج کے موقع پر قدرت کے باوجود حضور کو آئندہ کی خبروں کا علم نہیں دیتا، بلکہ اور اس بات کا اعتراف کر داتا ہے کہ ہم کو علم نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جاہلانہ اور دماغی عیاشیاں ہیں، اور ہر معقول بات کے جواب میں فاضل رحمانی کی طرح نام معقول باتیں کہی جاسکتی ہیں، نامعقولیت کا دروازہ تو کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا۔

عدم دعویٰ اور عدم قول: مولانا عتیق الرحمن صاحب کی اس تاویل (کہ آیت لا أقول لکم میں قول اور دعویٰ کی نفی کی گئی ہے نہ علم کی) پر فاضل رحمانی کی خامہ فرسائی کا خلاصہ یہ ہے کہ ”حضور کہتے ہیں نہ تو میں کسی غیب دانی کا قول کرتا ہوں، نہ خزائن اللہ کے مالک ہونے کا۔“ پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ایسا قول نہ کریں۔

یہاں قائل لحاظ بات یہ ہے کہ عدم دعویٰ، عدم علم اور وجود علم دونوں ہی

شکلوں میں ہو سکتا ہے، لیکن اگر صرف یہی آیت ہوتی تو عدم دعویٰ بر بنائے عدم علم مان کر ہم فاضل رحمانی کی یہ بزرگانہ نصیحت تسلیم کر لیتے، کہ ہم بھی آپ کے لیے علم غیب کا دعویٰ نہ کریں اور جب اس کے مقابلہ و ماہو علی الغیب بضنین، نزلنا علیک قبیانا لکل شیء بھی موجود ہے، اور جب قرآن بار بار آپ کو صاحب علم غیب کہتا ہے تو پھر اس کے علاوہ اور چارہ کار کیا رہ جاتا ہے عدم دعویٰ بر بنائے انکار ہے، مگر فاضل رحمانی تو اس قدر عقل سے اندھے ہیں اور ان کا یہ اندھا پن اتنا کارآمد ہے کہ جہاں ان پر زد پڑی، آنکھیں چو پٹ ہو گئیں، اور جہاں کوئی مفید بات نظر آئی تو آسمان تک نظر آنے لگا، ورنہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ علم غیب کا ثبوت جن آیتوں سے ہوتا ہے یہ آیات بظاہر اس کے خلاف ہیں، اور اس ظاہری تعارض کو دفع کرنے کے لیے علماء نے مختلف تاویلیں کی ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے، اس آیت میں عدم دعویٰ اور دوسرے میں ثبوت اور عدم دعویٰ ثبوت کے منافی نہیں ہے یہ کوئی الگ مستقل دلیل نہیں کہ اس میں احتمال پیدا کر دینے سے ہمارا استدلال ہی ختم ہو جائے استدلال تو آیات مثبتہ سے ہے،

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا: فاضل رحمانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آیت لا اعلم الغیب دعویٰ علم غیب کے معارضہ کے طور پر پیش کی گئی تھی، تردید ص ۶۱ اور ص ۷ میں اقرار کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ”حضور سے جس علم کی نفی ہے، وہ رفع ایجاب کلی یعنی ایسا علم ہے کہ اس سے غیب کا کوئی فرد خارج نہ ہو۔ اور جن آیتوں میں ثبوت علم ہے وہاں بعض مراد ہے، اور کل کی نفی بعض کے ایجاب کے منافی نہیں، اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔“

فاضل رحمانی کے مذکورہ بالا دونوں اعتراضوں سے دو باتیں واضح ہوئیں،

علمائے اہل سنت کے دعویٰ علم غیب کے مقابلہ میں آیت لا اعلم الغیب پیش کی گئی ہے، اور اس آیت میں بعض علم کی نہیں ہے بلکہ کل علم کی نفی ہے اگر بعض علم کا ثبوت کہا جائے تو آیت سے استدلال عدم علم پر غلط ہوگا، اور گزشتہ صفحات میں ہم یہ واضح کر آئے ہیں کہ علمائے اہل سنت بعض علم غیب کے ثبوت کے ہی قائل ہیں ہاں وہ بعض اتنا وسیع ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اختتام دنیا تک اس میں آجائے، لیکن ہے تو بعض ہی، پھر فاضل رحمانی یہ اقرار کرتے ہوئے بھی (کہ آیت سے بعض علم کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا) کیوں استدلال کرتے ہیں۔

عندہ مفتاح الغیب: فاضل رحمانی نے اس آیت کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں، اور صحیح بخاری سے اس کی تفسیر بھی نقل کرتے ہیں۔ ”مفتاح الغیب پانچ چیزیں ہیں، جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، کل کا علم، جو رحم میں ہو اس کا علم، بارش کا علم، موت کا علم، قیامت کا علم، یہ تفسیر راجح ہے، یہ حضور سے مروی ہے، خازن نے سب سے پہلے لکھا ہے۔ (ملخصاً)

وہ جو کسی نے کہا ہے ”دیوانہ بکار خویش ہو شیار“ اس کے پورے مصداق رحمانی میاں ہی ہیں، دیکھئے مطلب کی بات کے لیے تو آیت کی تفسیر بخاری سے تلاش کی اور جہاں اپنے خلاف دیکھا، اندھے بن گئے، اور اس حدیث کی شروع سے آنکھ بچالی، ورنہ وہ دیکھتے کہ اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔

مراد آنست کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل پیچ کس ایشان راندہ داند۔ (احادیث المفحات ص ۴۲)

مطلب یہ ہے کہ بے تعلیم الہی عقل کے حساب سے کوئی اس کو نہیں جانتا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان چیزوں کی نفی علم ذاتی کے طور پر ہے نیز

علامہ ملا علی قاری مرقات میں، امام قرطبی شرح صحیح مسلم میں، علامہ عینی، اور امام احمد قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

لا مسمع لا حد فی علم هذا لاشیاء بهذا الحدیث فمن ادعی شیئ منها غیر مستنداً الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعد عواہ کاذب۔

کسی ایک کو بھی ان چیزوں کے علم کی طمع نہ ہو، جس کسی نے ان میں سے کسی کے علم کا دعویٰ بغیر حضور کی طرف نسبت کئے کیا، اس کا دعویٰ باطل ہے۔ کیا بتایا جائے۔

پڑھا علم دیں دین داری نہ آئی

بخار آیا ان کو بخاری نہ آئی

دیکھئے یہاں یہ جلیل القدر علماء رسول کریم ﷺ کے علاوہ دیگر آدمیوں کو بھی ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس علم کی نسبت حضور کی طرف کر لو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا۔ دیکھئے آپ کی مستند تفسیروں سے ان پانچوں کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہو گیا، آپ تو فوراً تعجب سے پاگل ہو رہے ہوں گے۔ مگر کیا کیجئے گا، صبر کیجئے۔

دکھائے جو فلک سودہ ناچار دیکھنا

لاتدری ما احد ثوا بعدک: فاضل جہنڈے مگری کا خیال ہے کہ بعض مکنتوات کو حضور نہیں جانتے جب ہی تو قیامت میں بعض امتیوں کے متعلق حضور سے کہا جائے گا، لاتدری ما احد ثوا بعدک آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا، آپ نہیں جانتے۔

مولانا تقی الرحمن صاحب نے اس فاضل کی جہالت پر روشنی ڈالی تھی کہ

”حضور خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ کل قیامت میں ایسا ہوگا۔ فرشتے یوں کہیں گے میں یوں کہوں گا، پھر لائے گی کہاں سے نکلی، وہاں گڑھ سے؟“ اس پر بڑا چمک کر فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ واہ جناب! ہمارا استدلال لاتدری سے تھا، گویا حضور ان واقعات کے لاکھ عالم سہی، لیکن ہم تو انکار کئے جائیں گے، کہ لاتدری کا لفظ دیکھ لیا، یہاں ہم کو پھر اس کامیاب کم نگاہی کی داد دینی پڑتی ہے کہ مطلب کی بات کیا سوچ گئی، کہ لاتدری مگر ہم تو مولانا کے چودہ طبق روشن کر کے چھوڑیں گے۔ یہاں مندرجہ ذیل امور قابل تنقیح ہیں۔

۱۔ حضور کو علم تھا، یا نہیں ۲۔ اگر تھا تو لاتدری کیوں کہا گیا۔

حضور کو علم تھا: مند بزار عن عبد اللہ بن مسعود، مند حایث، امام ترمذی، ابو نعیم، امام عبد اللہ بن مبارک نے حدیث تخریج کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور پر اعمال امت پیش ہوتے ہیں۔

اعمال امت کی تفصیل: صحیح مسلم، امام احمد، سنن ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، طبرانی نے حدیث تخریج کی جس کا مضمون یہ کہ میری امت کے اعمال مجھے برے بھی پیش آتے ہیں، یہاں تک تفصیل ہوتی ہے کہ مسجد سے کوڑا صاف کرنا بھی پیش ہوتا ہے۔

مرتد ہونے کا حال بھی دکھایا گیا: صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔

بينما انا نائم فاذا ز مرة انا اعرفهم حتى خرج رجل بيني وبينهم فقال لهم قلت اين قال الى النار و اليه قلت ما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك على ادبار هم القهقري۔

اس بیچ میں کہ میں سویا تھا، دیکھا ایک جماعت جن کو میں پہنچاتا تھا، میرے

اور اس جماعت کے درمیان میں ایک آدمی حائل ہو گیا، اور کہا کہ چلو میں نے کہا ان کو کہاں لے جا رہے ہو کہا دوزخ میں نے پوچھا کیوں، کہا آپ کے بعد پیچھے پھر گئے مرتد ہو گئے۔

عمدة القاری و فتح البکدی وغیرہ میں اس کا مطلب لکھا ہے۔

انه رأى فى المنام ما سيقع لهم فى الآخرة۔

خواب میں وہ بات دکھائی گئی، جو قیامت میں ہونے والی تھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو کر کل قیامت میں جو لوگ جہنم میں جائیں گے، وہ سب آپ کو دکھائیے گئے ہیں، پھر لاتدری کا کیا مطلب؟

لاتدری کا مطلب: یہی حدیث صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مروی ہے۔

اما شعرت، کیا آپ کو پتہ نہیں؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا، نیز بروایت ابو ہریرہ ہل تدری ما احدثوا بعدك جس کا ترجمہ ہوا آپ

تو جانتے ہی ہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا، جس طرح ہل اتی علی

اللسان حين من الدهر میں، صحیح بخاری میں یہ حدیث بروایت اسماء ہل

شعرت ہے اور کچھ روایتوں میں لاتدری بھی ہے، فاضل رحمانی کی کج نگاہوں

نے صرف لاتدری دیکھا، ورنہ روایت کے دیگر طریقوں کو دیکھتے ہوئے اصول

تطبیق پر یہاں بھی ہمزہ استفہام انکاری محذوف ماننا پڑے گا جیسا کہ آیت ہذا

ربی میں ہے، اور اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے، کہ کیا آپ کو پتہ نہیں یعنی ہے، ورنہ

یہ تو آپ کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ بعض حدیثوں سے ثبوت علم ہے اور بعض سے

نفی، اس لیے نفی والی حدیث ذہول پر مبنی ہے، تا کہ دونوں میں تطبیق ہو جائے، مگر

آپ کو تو اپنے لاتدری کے غمزہ شاہدانہ سے ہی فرصت نہیں ملتی، اور آپ کو کون

بتائے کہ۔

ترا کہ گفت کہ اے نازنین زپردہ برآ
زغزہ برصف مرداں شیرا قلن زن
واقعات کی بحث

واقعات کی ایک طویل فہرست ہے کہ اگر حضور کو علم تھا تو فلاں واقعہ میں
کیونکر ایسا ہونے سے بچا نہ لیا۔ ایسا کیوں نہ کیا، اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس پر مولانا
عقیق الرحمن صاحب نے ایک بڑی دلچسپ گرفت کی تھی، کہ اگر اسی طرح حضور
جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم پر استدلال کیلئے جاسکتا ہے تو پھر خدائے
ذوالجلال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کیا معاذ اللہ وہ بھی عالم نہ تھا، آخر اس
نے اپنے نبی کی چیت بیوی کو "تہمت افک" سے کیوں نہ بچالیا، اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو مہینوں ضیق میں رکھا جب کہ بارہا ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر قرآن فوراً
نی نازل کر دیا کرتا تھا، اس واقعہ میں تاخیر دینی کیوں ہوئی، یا حضرت حمزہ رضی اللہ
عنه کو شہادت سے کیوں نہ بچالیا، جب کہ ایک مسلمان سردار کا ایسے وقت میں زندہ
رہنا بہر حال مفید تھا، معلوم ہوا کہ علم کے مقتضی پر بظاہر عمل نہ کرنا عدم علم کی دلیل
نہیں۔

اس معارضے پر آپ سے کچھ بن نہ آئی، تو مولانا عقیق الرحمن صاحب کو برا
بھلا کہہ کر یہ جواب دیا کہ خدا کی مشیت اور مصلحت ہی ایسی تھی، اور خدا سے اس کی
مشیت کے بارے میں سوال نہیں ہو سکتا! کہ ایسا کیوں ہوا جبکہ دوسروں سے سوال
ہو سکتا ہے، آیت لایستل عما یعفل وہم یستلون۔

اللہ اللہ یہ منہ اور مسور کی دال قرآن شریف سمجھنے چلے ہیں، مولانا اردو ترجمہ
دیکھ لینا اور بات ہے، اور فہم قرآن اور، سوال یہ ہے کہ آیت میں سوال سے کیا
مراد ہے، سوال برائے علم یا برائے احتساب، اگر آپ سوال برائے علم مراد لیتے

کہا کہ جاننے کے لیے بھی نہیں پوچھ سکتے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس
سوال کا ہوا پیدا کر دو جانہوں نے قرآن کے الفاظ میں اپنے رب سے کیا تھار ب
اور ہی کیف تمحی الموتی یا حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بات رب ان ابھی من
اعلیٰ (خدا یا میرا لڑکا تو میرے اہل سے تھا) اور تو نے کہا کہ تیری اہل نجات یا ب
ہو گی۔

اور اگر سوال سے سوال احتساب و اعتراض مراد ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ خدا
کے افعال کا احتساب نہیں، دوسروں کا ہوگا، لیکن حضور کی شان میں اس آیت کا
بہنا اولاً تو دائرہ محبت سے خارج، ثانیاً آپ اپنی اوقات تو دیکھئے پھر بعد میں
حضور کے اعمال و احوال کا حساب کیجئے گا۔ قبلہ! شرک و بدعت کی مشین چلانا اور
ہے، اور قرآن فہمی اور

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی محاسب نہیں، کہ اس کے افعال پر
اعتراض کر سکے، اور خدا سب سے حساب لے گا، اس آیت کو اس بحث سے کیا
ملاقات کیا آپ اس آیت کی ناجائز آڑ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسب
بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں، کیوں نہ ہو آپ بھی تو انہیں میں سے ہیں جن کے
لیے کہا گیا ہے۔

ذکر رد کے، فضل کاٹے، نقص کا جو یاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اصل مسئلہ کی وضاحت: سوچنا چاہیے کہ بقول فاضل رحمانی واقعہ
الک شہادت حمزہ، اور اس قسم کے دیگر تمام واقعات میں مشیت ایزدی تو یہی تھی
کہ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر دکھ میں رہیں، حضرت حمزہ شہید ہوں، وغیرہ

وغیرہ۔ لیکن یہ عقل کے اندھے چاہتے ہیں کہ حضور خدا کی مشیت کی مخالفت کریں۔ اگر عالم تھے تو بتا دینا چاہیے تھا۔ یہ یاد رکھو کہ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عالم نہیں بنایا کہ وہ رموز الہی جان کر اس کی مرضی کے خلاف کریں، نہ کسی وارفتہ دنیا کو حضور سے اس قسم کی توقع رکھنا چاہیے۔

اس لیے ان تمام واقعات و حوادث میں جہاں تمہاری عقل مقتضائے علم پر علم نہ کرنے کی کوئی صحیح توجیہ نہ ڈھونڈ پاے یہ سمجھ لو کہ خدا کی مرضی یہی تھی، اور جس طرح خدا عالم ہونے کے باوجود اپنی مرضی کے خلاف نہیں کرتا، حضور سے بھی علم کے باوجود امید نہ رکھو، کہ وہ خدا کی مشیت کے خلاف لب بھی ہلائیں گے، جیسے ایک داروغہ بالائی حکم کی وجہ سے مجبور ہے کہ اپنے بھائی کو اس کی گرفتاری کے وارنٹ کی خبر نہ دے، بلکہ خود ہی اسے گرفتار بھی کر لے، حالانکہ اس کو اس کی خبر پہلے سے ہے، اور بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کے دل میں بچانے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔

خاتمہ

اس رسالہ میں ہر ممکن اختصار کو مد نظر رکھ کر اصل مسئلہ ”حاضر ناظر“ پر قرار واقعی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا خلاصہ ایک نظر میں یہ ہے کہ حضور کا بیک وقت کئی جگہ ہونا، یا سارے عالم کی خبر رکھنا کسی طرح شرعاً ناممکن نہیں، نہ شرک لازم آتا ہے، کیونکہ ایسا ہی (عطائی) حضور اور قدرت، اگر خدا کے لیے مان لیا جائے تو خدا خدا نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ میں خیر الانبیاء کے دعاوی مجموعی حیثیت سے حق و درست ہیں اور

مولوی عبدالرؤف یا ان کے ابتنائے جنس اس سلسلہ میں جو حماقتیں کرتے اور مجنونانہ بڑھاپا کتے ہیں، ان کا دماغ بفضل ایزدی ہر وقت درست کیا جاسکتا ہے، اور وقت کے سب سے بڑے خطی الموحاس اپنی اکلوتی من بھاتی دلیل، اور بے معنی اڑن کھائیوں کی عبرت ناک خشکی کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں کہ۔

اے رو بہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنچہ کر دی و دیدی سزائے خویش

☆☆☆

ادارہ کی ایک اہم پیشکش

غیر مقلدین کو دعوت انصاف

(۴ جلد مطبوعہ) صفحات 1136 ہدیہ فی جلد 350 روپے

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری
(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ:

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کامونکے

شُرک کے موضوع پر لا جواب کتاب

شُرک کی حقیقت

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری
(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ:

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کامونکے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

القول السدید فی بیان معنی الشاہد و الشہید

مسئلہ حاضر و ناظر

قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ دین کی روشنی میں

تحریر

ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑو رحمة اللہ تعالیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ مقالہ مبارکہ ملک المدر سین، استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطاء محمد چشتی کو لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۹۱۶ء) وفات ۳/ ذیقعدہ مطابق ۲۱/ فروری ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء) نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا، اس کا عنوان ہے:

القول السديد في بيان معنى الشاهد والشهيد

اس میں انہوں نے قرآن وحدیث، لغت اور ائمہ مفسرین ومترجمین کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ حاضر و ناظر بیان کیا ہے، اہل سنت و جماعت کے موقف کی وضاحت کے ساتھ مخالفین کے شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔

حضرت ملک المدر سین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے اور اسی کو مختار قرار دیا ہے:

آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ دار فخر میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے۔

راقم الحروف نے جو علمی اور عملی اعتبار سے کسی شمار میں نہیں اور حضرت ملک المدر سین کے لوئی در یوزہ گردن میں سے ہے، اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا ہے "الحبيب في رحاب الحبيب حاضر" اس کا ترجمہ "روح اعظم کی کائنات میں جلوہ گری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے کہ ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا جائز ہی نہیں بلکہ بالفعل واقع ہے۔

اس کی چند صورتیں ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ تجلیات اٹھادے اور ایک شخص کو کئی جگہوں پر دیکھا جائے، باوجودیکہ وہ ایک ہی جگہ موجود ہو۔

۲- ایک شخص ایک ہی جگہ موجود ہو، لیکن اس کی تصویریں کئی جگہ دیکھی جائیں، جیسے شبلیہ زمین میں ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ ایک شخص کے لیے متعدد مثالی اجسام تابع فرمان فرمادے اور ان میں ایک

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اله الا الله محمد رسول الله

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله
وعلي آلِكَ واصحابك يا حبيب الله

ہی روح تصرف کرے، اس سے محض جزئی لازم نہیں آئے گا جو مناطقہ کے نزدیک محال ہے، کیونکہ وحدت اور تعدد کا مدار روح پر ہے اور وہ ایک ہے لہذا شخص بھی ایک ہوگا اگرچہ اجسام متعدد ہوں۔

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا پناہ فوت ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا:

کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے؟ کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اسے انتظار کرتے ہوئے پاؤ۔

حضرت ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

اس میں اشارہ ہے کہ خلاف عادت متعدد متکسب اجسام ہو سکتے ہیں،

کیونکہ پناہ جنت کے ہر دروازے میں موجود ہوگا۔

امام علامہ سیوطی، علامہ علاء الدین قنوی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو دویا اس سے زیادہ اجسام

میں تصرف کی اجازت عطا فرمادے، اس قاعدے سے بہت سے مسائل کا

استخراج کیا جاسکتا ہے اور بہت سے مشکلات حل ہو سکتے ہیں۔

علامہ الوسی بغدادی مختلف جگہوں میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اکرم کے ساتھ متعلق

ہونے کے باوجود مشکل ہو کر سامنے آجاتی ہے اور اس کی زیارت ہوتی ہے،

جیسے بعض علماء نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام حضرت دجہ کلبی کی

صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے باوجود سدرۃ

المنہی سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جسم مثالی سے

متعلق ہو جاتی ہے، اور اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ان گنت مثالی اجسام

ہوں اور ہر ایک جسم کے ساتھ آپ کی روح اقدس متعلق ہو، یہ تعلق ایسے

۱۔ محمد عبدالکیم شرف قادری، علامہ: من عقائد اہل السنۃ ص ۳۳۵

۲۔ علی بن سلطان محمد قادری، علامہ: بحر قنوق (ملتان) ۱۰۹/۳

۳۔ عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاویٰ، ۲۱۹/۱

ہی ہوگا جیسے ایک روح کا تعلق ایک جسم کے اجزاء سے ہوتا ہے (مخلصاً)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف ”من عقائد اہل السنۃ“ (ص ۳۵۷-۳۳۵) اس گفتگو کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

قارئین کرام! ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطاء محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی قدر تفصیلی حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”نور نور چرے“ ملاحظہ فرمائیں۔ اس وقت راقم صرف! چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہے:

۱۔ راقم نے درس نظامی کا اتنا کثیر الفیض مدرس نہیں دیکھا، ساٹھ سال کے قریب آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور اس وقت آپ کے پیروں شاگرد پاکستان اور بیرونی ممالک میں علوم دینیہ کی خدمت یعنی تدریس اور تبلیغ میں مصروف ہیں، پاکستان کے اکثر مدارس آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کی بدولت آباد ہیں۔ آپ کے سلسلہ تلامذہ کی چوتھی اور پانچویں کڑی بھی مصروف تدریس ہے۔

۲۔ آپ نے خالص مدرسانہ زندگی گزاری، یعنی نہ تو مسند مشیت اور پیری سنبھالی اور نہ ہی خطامت کا میدان اپنایا، اس کے باوجود آپ کے شاگرد آپ سے دالہانہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ محبوبیت کسی دوسرے مدرس میں دکھائی نہیں دیتی۔

۳۔ انہیں جہاں اپنے ہر طریقہ آفتاب گولڑہ پیر سید مر علی شاہ گولڑوی اور حضرت خواجہ پیر سید غلام محمد الدین گولڑوی (بابو جی) رحمہما اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت تھی وہاں اپنے اساتذہ حضرت مولانا یار محمد بند یالوی اور حضرت مولانا مر محمد اچھروی رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی گہری عقیدت و محبت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک المدرسین کو فیض و برکت کا دریا اور شاگردوں کا محبوب ترین استاد بنا دیا۔

آج کے طلباء کے لیے ملک المدرسین کا پیغام یہ ہے کہ عقیدت و محبت کا مرکز صرف پیر و مرشد ہی نہیں بلکہ استاذ اور ولی نعمت بھی ہونا چاہیے، تب ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی نگاہ عنایت انسان کو میسر ہوتی ہے۔

محمد عبدالکیم شرف قادری

۱۳۲۰ھ

۱۰ دسمبر ۱۹۹۹ء

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لأهله والصلوة والسلام على أهلها أما بعد !
 مدہ فقیر پر تفصیل عطا محمد چشتی گولڑوی بعد از السلام علیکم درحمة اللہ وکالتہ !
 اہل سنت و جماعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے
 حبیب لیب، سرور دو عالم سرکار مدینہ ﷺ کو قرآن پاک میں ”شہید“ اور ”شاہد“
 فرمایا ہے۔

آیات ملاحظہ ہوں :

- ۱- قوله تعالى ويكون الرسول عليكم شهيدا“ (سورہ بقرہ ۱۲۳/۲)
 اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔
- ۲- وقوله تعالى فكيف اذا جئنا من كل أمة يشهيد و جئنا بك على
 هؤلاء شهيدا“ (سورہ النساء ۴۱/۴)
 تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان
 سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔
- ۳- وقوله تعالى يا أيها النبي إنا أرسلناك شاهدا“ (سورہ احزاب ۲۵/۳۳)
 اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر
 اور خوشخبری دینا اور ڈر سناتا۔

مدہ اس مضمون میں یہ بیان کرے گا کہ شہید اور شاہد کا لغت میں کیا معنی
 ہے؟ اور مستند مفسرین اور محدثین نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کو
 شہید اور شاہد کس معنی میں فرمایا گیا ہے؟

مفردات امام راغب میں ہے :

”الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة إما بالبصر أو بالبصيرة“
 یعنی شہود اور شہادت میں شاہد اور شہید کا حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہے
 خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے۔

یہ شہادت اور شہود کا اصلی معنی ہے، آگے چل کر اسی مفردات میں فرمایا :
 ”والشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرة أو بصر“
 یعنی شہادت اس قول کو کہا جاتا ہے کہ کہنے والے کو اس کا پورا علم ہو اور وہ علم
 نظر عقل یا آنکھ کی نظر سے حاصل ہو۔

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ شاہد اور شہید کے
 لئے لغت کے لحاظ سے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور
 حاضر ہو) کے لئے ناظر ہونا ضروری ہے۔

بیضاوی شریف میں تحت قوله تعالى (وادعوا شهداءكم لآية)

مذکور ہے :

”الشهداء جمع شهيد بمعنى الحاضر أو القائم بالشهادة أو
 الناصر أو الامام وكأنه يحضر النوادي ويبرم بمحضرة الامور إذ
 التركيب للحضور إما بالذات أو بالتصور ومنه قيل للمقتول في
 سبيل الله شهيد لانه حضر ما كان ير جوه أو الملكة حضرة“
 خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے اور شہید کا اصلی اور لغوی
 معنی حاضر ہے اور جہاں بھی یہ ترکیب آئے گی، یعنی پہلے شہین ہو اس کے بعد ہا ہو اور
 اس کے بعد دال ہو تو اس میں حضور والا معنی لازماً معتبر ہوگا۔

ماہد عبد الحکیم فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیضاوی کے حاشیہ
 میں اسکی چند مثالیں دی ہیں جن میں یہ ماہد پایا جاتا ہے۔

”كالشهادة مصدر شهد كعلم و كرم والشهود مصدر شهده
 كسمعه شهودا حضرة والمشاهدة بمعنى المعاينة للحضور“

یعنی ان تمام مثالوں میں حضور والا معنی ہے اور مشاہدہ میں دیکھنا بھی ضروری
 ہے جیسے قائم بالمشاہدہ جس سے مراد کسی واقعہ کا گواہ ہے اور ناصر جس سے مراد مددگار
 ہے اور امام جس سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ ہے، علامہ بیضاوی نے ان پر بھی لفظ شہید کا
 اطلاق کیا ہے، حالانکہ بظاہر ان میں حضور والا معنی نہیں پایا جاتا اس لئے علامہ بیضاوی

نے مذکورہ بالا عبارت میں تصریح فرمادی کہ ان تینوں یعنی گواہ اور مددگار اور امام میں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ گواہ اور مددگار تو مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور امام کے روبرو اور اس کے حضور میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شاہد اور شہید کے لئے حاضر اور حضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کا ناظر ہونا ضروری ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اس کو بھی شہید کہتے ہیں، اس لئے علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ مقتول فی سبیل اللہ جس اجر اور ثواب کی امید رکھتا تھا اس اجر اور ثواب کو وہ حاضر ہو گیا یا فرشتے اس مقتول کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔

اسی قسم کا مضمون مفردات امام راغب میں بھی ہے ملاحظہ ہو :-

”والشہید هو المحتضر فتسميته بذلك لحضور الملائكة اياه
اولا ثم يشهدون في تلك الحالة ما اعد لهم من النعيم اولاً ثم تشهد
أرواحهم عند الله“

یعنی مقتول فی سبیل اللہ کو جو شہید کہا جاتا ہے اس کی تین وجہیں ہیں وجہ اول فرشتے شہید کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس صورت میں شہید بمعنی مشہود ہوگا۔ وجہ دوم اور سوم یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ اپنے ثواب اور اجر کو حاضر ہوتا ہے یا ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں، ان دونوں وجہوں میں شہید بمعنی شاہد اور حاضر ہوگا۔

مفردات امام راغب میں ہے :-

قوله تعالى سائق و شهيد أي من شهد له أو عليه - وكذا قوله تعالى
”فكيف إذا جننا من كل أمة بشهيد و جننا بك على هؤلاء شهيدا“

یعنی شہید اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے حق میں گواہی دے یا کسی دوسرے کے خلاف گواہی دے۔ اور آیت مذکورہ میں شہید سے یہی مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ مومنوں کے حق میں گواہی دیں گے اور کفار کے خلاف۔

شاہد اور شہید کے متعلق ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو حاشیہ جامی میں ہے :
فاعلم أن الاشتقاق نزاع لفظ من آخر بشروط أربعة-

أحدها: أن يكون اللفظان متناسبين معنى بأن يكونا مشتركين في الدلالة على أصل المعنى وبه احتراز عن الألفاظ المشاركة في اللفظ كالذهب بمعنى ما يقابل الفضة وذهب الذي ماض من الذهاب فلا يقال إن أحدهما مشتق من الآخر لعدم اشتراكهما في الدلالة على المعنى الأصلي-

ثانيها: أن يكونا متناسبين تركيباً بأن يشتملا على الحروف الأصلية وبهذا احتراز عن الألفاظ المترادفة كالذنب والسرطان لفقدان التناسب في التركيب-

ثالثها: أن يكونا متغايرين في الصيغة وبه احتراز عن مصدر أريد به المفعول كضرب الأمير أي مضروب به و مصدر مستعمل في معناه الأصلي فلا يقال إن أحدهما مشتق من الآخر لا تحاد الصيغة-

رابعها: أن يكون المشتق زائداً على المشتق منه بشيء من المعنى واحتراز به عن نحو شاهد و شہيد فان القيود المذكورة متحققة فيهما غير أن واحداً منهما لا يدل على معنى زائد لأن معناه واحد وهو الحاضر - خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ صرفیوں کی اصطلاح میں اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ

ایک لفظ کو دوسرے سے نکالنا اور جہاں اشتقاق ہوگا، وہاں ایک مشتق ہوگا اور دوسرا مشتق منہ، مشتق کو مشتق منہ سے نکالا جاتا ہے اور اس کی چار شرطیں ہیں؛ شرط اول دونوں لفظ معنی اصلی میں متناسب اور مشترک ہوں، اس شرط کے لحاظ سے لفظ ذہب (بمعنی سونا) لفظ ذہب سے مشتق نہیں ہے اگرچہ ذہب کی شکل مصدر کی ہے اور ذہب فعل ماضی ہے، کیونکہ اصلی معنی میں ان کے درمیان اشتراک نہیں ہے، اس لئے کہ ذہب کا معنی سونا ہے جو چاندی کے مقابل ہے اور ذہب فعل ماضی ہے اس کا معنی ہے چلا گیا اور یہ ذہاب سے مشتق ہے۔

شرط دوم یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے اصلی حروف متناسب ہوں اس

شرط کے لحاظ سے لفظ سر جان لفظ ذنب سے مشتق نہیں ہے اگرچہ لفظ ذنب کی شکل مصدر کی اور لفظ سر جان کی شکل صفت مشبہ کی ہے، اور ان دونوں کا معنی ایک ہے یعنی ذنب اور سر جان بھیڑیے کو کہتے ہیں لیکن حروف اصلیہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ذنب کے حروف اصلی ذال اور ہمزہ اور باء ہیں اور سر جان کے حروف اصلی سین اور راء اور جاء ہیں۔

شرط سوم: مشتق اور مشتق منہ شکل اور ہیئت میں متغائر ہوں اس شرط کے لحاظ سے لفظ ضرب بمعنی مضروب جیسا کہ ضرب الامیر میں ہے یعنی مضروب الامیر لفظ ضرب بمعنی مصدر سے مشتق نہیں ہے، کیونکہ دونوں کی شکل اور ہیئت ایک ہے۔

شرط چہارم: مشتق، مشتق منہ سے معنی کے لحاظ سے زائد ہو اس شرط کے لحاظ سے شاہد اور شہید میں اشتقاق نہیں ہے، اگرچہ پہلی تینوں شرطیں ان میں پائی گئی ہیں لیکن چوتھی شرط نہیں پائی گئی، کیونکہ دونوں کا معنی حاضر ہے اور کسی کا معنی دوسرے سے زائد نہیں ہے۔

اس طویل اقتباس سے مدد کی غرض صرف یہ ہے کہ شاہد اور شہید کے معنی میں باعتبار لغت کے حضور معتبر ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر حاشیہ جاری میں ہے

(والشہود بمعنی الحضور) شہود کا معنی حاضر ہونا ہے

اس مختصر تحقیق کی روشنی میں اب یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن پاک میں جو شاہد اور شہید فرمایا گیا ہے اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ تو محققین مترجمین نے یا تو یہاں حاضر ناظر کا معنی مراد لیا ہے یا قائم بالشہادۃ، یعنی گواہ مراد لیا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

تفسیر عزیزی میں قولہ تعالیٰ (وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) کے ماتحت آیت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے:

(یعنی دبا شد رسول شہید ﷺ پر شاہ گواہ زیر اکذ او مطلع است بمرور نبوت بر وجہ ہر متدین

ن خود کہ در کدام درجہ از دین من رسید و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بدان از حق مجوب مانده است کدام است پس اوی شناسد گناہاں شمارا و در جات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و از خاص و نفاق شمارا و لہذا اشہادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچه از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اولیس و صلہ و مہدی و مقتول و جال یا از معائب و مثالب حاضران و غائبان می فرماید اعتقاد بر آن واجب است و ازین است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی راہ اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلا نے امروز چنین می کند و فلا نے چنان تار و زیارت ادائے شہادت تو اند کرد)

خلاصہ فارسی عبارت کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا۔ اس ترجمہ پر کئی اشکال ہو سکتے تھے جن کا ازالہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل عبارت میں کر دیا ہے۔

اشکال اول۔ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع پر حاضر ہو اور جس چیز کی گواہی دے رہا ہے اس کا تعلق اگر دیکھنے سے ہے تو اس واقعہ کا دیکھنا بھی گواہ کے لئے ضروری ہے، تو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ دونوں چیزیں کیسے ثابت ہوئیں؟ تاکہ آپ گواہ بنیں، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے نور نبوت کے ذریعہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور عقائد پر مطلع ہیں اور ہر دین دار کے دینی درجہ کو بھی جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ میں ہے؟ مثال کے طور پر لاکھوں کروڑوں اولیاء کرام دنیا میں آئے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے اور ہر ایک کی ہر دن سلوک میں ترقی ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ ان تمام اولیاء کرام کی ہر ایک دن کی ترقی کو بھی نور نبوت سے پہچانتے ہیں، کیونکہ اگر ہر دن کی ترقی آپ کو معلوم نہ ہو تو ہر دین دار کا درجہ دین کس طرح معلوم ہو گا اور بعض اولیائے کرام کو سلوک کے راستے میں کسی وجہ سے حجاب اور پردہ آجاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے، آنحضرت ﷺ ہر ایک کے حجاب کو پہچانتے ہیں اور ہر دین دار کی حقیقت ایمانی کو بھی پہچانتے ہیں کہ اس کا ایمان کس قسم کا ہے؟ نیز اعمال نیک و بد اور درجات ایمان اور اخلاص و نفاق کو بھی پہچانتے ہیں،

اشکال اول کا ازالہ اس طرح ہوا کہ آپ نور نبوت سے ان تمام اشیاء کو دیکھ رہے ہیں۔

اشکال دوم۔ یہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ ساری اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہوگی، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب اشیاء پر اطلاع نور نبوت کے ذریعہ ہے

اشکال سوم۔ یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ اطلاع دائمی نہیں ہے، بلکہ گاہے گاہے ہوتی ہے تو اس کا ازالہ فرمایا کہ یہ اطلاع نور نبوت سے ہوتی ہے، چونکہ نور نبوت دائمی ہے کبھی آپ سے منک نہیں ہو سکتا لہذا یہ اطلاع بھی دائمی ہے۔

اشکال چہارم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آیت شریفہ میں چونکہ (علیکم) کا لفظ ہے جس میں ضمیر خطاب ہے، تو شاید اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال پر تو مطلع ہیں، لیکن بعد والے لوگوں کے حالات مذکورہ بالا کی اطلاع نہیں ہے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حاضران زمانہ مقدس اور غائبان زمانہ سب کے احوال نیک و بد پر مطلع ہیں۔

اشکال پنجم۔ چونکہ آیت مذکورہ بالا میں جس شہادت کا ذکر ہے وہ اخروی شہادت ہے تو شاید دنیا میں آپ کی شہادت مقبول نہیں ہے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس شہد کا ازالہ کیا کہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ کی شہادت مقبول ہے۔

اشکال ششم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال پر مطلع ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے، جو دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں نہیں پایا جاتا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ ہر نبی اپنی امت والوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہوتا ہے۔

اشکال ہفتم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال، فرشتے آپ کو بتلاتے ہوئے اور بغیر فرشتوں کے آپ کو احوال امت پر اطلاع نہیں ہوتی ہوگی۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازالہ فرمایا کہ یہ اطلاع نور نبوت کے ذریعے سے ہے تو اگرچہ فرشتے بھی اعمال پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ سرور دو عالم ﷺ اس اطلاع کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ بغیر واسطہ فرشتوں کے نور نبوت سے بھی مطلع ہیں۔

یہاں ایک خاص نکتہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ایک جاننا ہوتا ہے جو کہ علم کا ترجمہ ہے اور ایک پہچانا ہوتا ہے جو کہ معرفت کا ترجمہ ہے۔ تو اس عبارت میں قبلہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے (بیٹھنا) کا لفظ استعمال کیا ہے، نہ کہ میدان کا اور معرفت حواس کے ذریعہ ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ ساری اطلاع بذریعہ حواس ہے اور نور نبوت تمام حواس میں منجلی ہوتا ہے۔

اشکال ہشتم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ صرف امت کے احوال نیک و بد پر مطلع ہیں اور نیک و بد اعمال کرنے والوں کو نہیں پہچانتے مثال کے طور پر آپ یہ تو پہچانتے ہیں کہ آج فلاں فلاں اعمال نیک و بد ہوئے ہیں، لیکن یہ نہیں پہچانتے کہ یہ اعمال کس کس نے کئے ہیں؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا (کہ فلاں امر و چہنیں میکر و فلاں چہنیں تار و قیامت) یعنی ہر ایک نیک و بد اعمال کرنے والے کو بھی پہچانتے ہیں۔

اشکال نہم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ہر نبی کی ذمہ داری اس وقت تک ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت میں ظاہری حیات کے ساتھ موجود ہو اور جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول بیان میں فرمایا ہے ”و کنت شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتی کنت انت الرقیب علیہم“ یعنی میری ذمہ داری اس وقت تک تھی جب تک میں ان میں موجود تھا۔ لہذا انصاری نے مجھے اور میری والدہ کو الٰہ جان لیا ہے یہ میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد ہے، لہذا اس امر کی مجھ سے پرسش سمجھ میں نہیں آتی، اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے لئے امت کے احوال پر اطلاع کیوں ضروری ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر نبی کی شہادت دو قسم کی ہے دنیاوی اور اخروی۔

دنیاوی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جب تک نبی اپنی امت میں ہے تو اس کے تمام احوال پر مطلع ہو۔ اور اخروی شہادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ نبی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی امت کے احوال پر اپنے نور نبوت کے ساتھ مطلع رہے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا ازالہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

(لہذا شہادۃ اور دنیا پہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است تا

روز قیامت اوائے شہادت تو اماند کرد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ فرمایا اور اس کی تشریح کی اسکے بیان میں طوالت ہو گئی ہے، بندہ اس طوالت پر معذرت خواہ ہے بات اس پر چلی ہوئی تھی کہ قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو شہید اور شاہد فرمایا گیا ہے تو اس کا ترجمہ محققین مترجمین نے کیا کیا ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ گواہ کیا ہے

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس ترجمہ سے حاضر و ناظر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ گواہ کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری ہے۔

اب دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

(اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ)

یہاں بھی شہید کا معنی گواہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں فاضل بریلوی نے کئی اور علمی اشارے بھی کئے ہیں۔

اول یہاں اشکال ہوتا ہے کہ (علیکم) یہ جار مجرور شہید کے متعلق ہے اور شہادۃ کا صلہ علی ہو تو ضرر کا معنی دیتا ہے تو فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں اشارہ فرمایا کہ لفظ (علیکم) شہید کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے جس کا معنی نگہبان ہے اور یہاں شہید رقیب کے معنی کو مقصود ہے۔

دوم فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں (یہ رسول) فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ الرسول سے معین رسول مراد ہیں جو کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نفس ترجمہ میں ان اشکالات کو رفع فرما دیتے ہیں جن کو مفسرین نے طویل عبارات میں حل کیا ہے۔

اب : سری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

قوله تعالیٰ (فکیف اذا جئنا من کل امة بشہید وجئنا بک علی هؤلاء شہیدا)

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اس کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں :

(اور کیسی ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے

محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں)

اس ترجمہ میں بھی فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے دونوں جگہ پر شہید کا

معنی گواہ کیا ہے۔

اب تیسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

قوله تعالیٰ (یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً - الآیۃ)

فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں :

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر)

اس ترجمہ میں شاہد کا معنی حاضر و ناظر کیا گیا ہے جیسا کہ مفردات راغب کے حوالہ سے

بندہ پہلے ذکر کر چکا ہے، دوبارہ مفردات کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(الشہود والشہادۃ الحضور مع المشاہدۃ)

یعنی شاہد، شہود سے مشتق ہے یا شہادۃ سے اور ہر ایک کا معنی ہے حضور اور مشاہدہ حضور

کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی حاضر ہو گیا، مشاہدہ کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی

ناظر ہو گیا۔

یہاں تک بندہ نے لغت اور صرف و نحو اور محققین مترجمین کی عبارت سے یہ

ثابت کیا ہے کہ شہید اور شاہد کا معنی قرآن پاک میں حاضر اور ناظر ہے۔ اب اس پر اور

دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا تیسری آیت کی تفسیر میں فرمایا :

(علی من بعثت الیہم تراقب احوالہم و تشاہد اعمالہم و تحمل عنہم

الشہادۃ بما صدر عنہم من التصدیق والتکذیب و سائر ما ہم علیہ من

الہندی والضلال و تؤدیہا یوم القیامۃ اداءً مقبولاً فی مالہم وما علیہم)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں صرف (شاہد) کا ذکر ہے اور ان

لوگوں کا ذکر نہیں ہے جن کے متعلق گواہی دینی ہے، اس لئے صاحب روح المعانی نے

فرمایا کہ آپ کو ابی ان لوگوں پر دیں گے جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور ان کے احوال کی حفاظت اور اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جو ان لوگوں سے تصدیق یا تکذیب صادر ہوئی اُس کی شہادت کے حامل ہیں اور اسی طرح امت کی ہدایت اور ضلالت پر بھی قیامت کے دن شہادت دیں گے اور وہ شہادت مقبول ہوگی خواہ امت کے نفع کے لئے ہو یا نقصان کے لئے۔

اب علامہ الوسی کی عبارت کے چند نکات ملاحظہ فرمائیں۔

اول۔ عبارت میں احوال و اعمال دونوں کا ذکر ہے احوال کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا جوارج یعنی ہاتھ پاؤں سے، تو معلوم ہوا کہ امت کے دل کے احوال اور اعضاء کے اعمال سب پر آپ کو اطلاع ہے۔

دوم۔ علامہ الوسی نے (تشاہد اعمالہم) فرما کر تصریح کر دی کہ آپ اس لئے شاہد ہیں کہ امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ یہاں علامہ نے شاہد بمعنی ناظر کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سوم۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت دو قسم ہے۔ ایک امت دعوت یعنی جن کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا ہے، خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ دوم امت اجابت یعنی وہ لوگ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے، تو عبارت مذکورہ بالا میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی کہ جس امت کے احوال و اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جن کے احوال و اعمال پر گواہی دیں گے وہ امت دعوت ہے نہ کہ صرف امت اجابت اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ نے اس امت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (علی من بعثت الیہم) یعنی اس امت سے مراد وہ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی کو امت دعوت کہتے ہیں، نیز علامہ مذکور نے احوال اور اعمال کی تعبیر تصدیق اور تکذیب اور ہدٰی اور ضلالت سے کی ہے تو اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مؤمنوں اور کافروں سب کے احوال و اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس پر قیامت کے دن گواہی دیں گے تو اس سے بھی پتہ چلا کہ امت سے مراد امت دعوت ہے۔

اس تعبیر کے اخیر میں صاحب روح المعانی نے سادات صوفیہ کا اس بارے

میں مذہب نقل کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

(وَأَشَارَ بَعْضُ السَّادَةِ الصُّوفِيَةِ إِلَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَيْهِ عَلَى أَعْمَالِ الْعِبَادِ فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَلِذَلِكَ أَطْلَقَ عَلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ شَاهِدًا) ان سادات صوفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تمام بندوں کے تمام اعمال پر مطلع فرما دیا ہے اور آپ نے ان سب کی طرف نظر فرمائی اور دیکھا ہے اسی لئے قرآن پاک میں آپ پر شاہد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اب اس عبارت کے بھی چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

اول۔ مفسر نے اپنی تفسیر میں (اعمال العباد) کا ذکر فرمایا ہے جس کا معنی تمام بندوں کے تمام اعمال ہیں۔ خواہ مؤمن ہوں خواہ کافر، تو معلوم ہوا کہ آپ کو مومنوں اور کافروں سب کے احوال و اعمال پر اطلاع ہے۔

دوم۔ صوفیہ نے شاہد کی یہ وجہ ذکر کی ہے کہ آپ ان اعمال کی طرف ناظر ہیں، تو معلوم ہوا صوفیہ کے نزدیک اس آیت میں شاہد کا معنی ناظر ہے اور علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو صوفیہ کا مذہب نقل کیا ہے وہ بالکل مفسر کی اپنی تفسیر کے مطابق ہے جس کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز یہ ساری تقریر اس تفسیر کے بالکل مطابق ہے جو تفسیر عزیزِی سے ہمہ ابتدا میں نقل کر چکا ہے۔

صاحب روح المعانی نے اپنی سابقہ عبارت میں جن بعض صوفیہ کا ذکر کیا ہے مفسران میں سے ایک مثال پیش کرتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

(قَالَ مَوْلَانَا جَلَالُ الدِّينِ الرَّومِيُّ قَدَسَ سِرُّهُ الْعَزِيزُ لِي مَشْنُوِيَه)

در نظر بودش مقامات العباد، زیر سبب بامش خدا شاہد نماز

یعنی مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشنوی میں فرمایا کہ چونکہ تمام بندوں کے تمام درجات آپ کی نظر میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام قرآن پاک میں شاہد فرمایا۔ اس شعر میں لفظ (مقامات العباد) اس پر وال ہے کہ مؤمن کافر کی کوئی تخصیص نہیں اور احوال و اعمال کی بھی کوئی تخصیص نہیں، سب کے احوال و اعمال آپ کی نظر میں ہیں، نیز اس شعر میں بھی شاہد نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ مقامات العباد

(ہندوں کے مقامات) آپ کی نظر میں ہیں تو معلوم ہوا کہ علامہ رومی کے نزدیک بھی شاہد کا معنی ناظر ہے۔

نیز اس شعر میں ایک اور خاص نکتہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ لفظ (بود) ماضی کا صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں مقامات العباد آپ کی نظر میں تھے، یعنی جبکہ عباد اور ان کے اعمال وجود میں بھی نہیں آئے تھے، اس وقت بھی آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے، یعنی جب ہر کوئی عمل کرتا ہے تو صرف اسی وقت آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں ہوتا، بلکہ عمل کرنے سے پہلے بھی مقامات العباد آپ کی نظر میں ہیں۔

ان سب عبارات سے ہمد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا جائز ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔
اس پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں۔

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔

(وقال عمرو بن دينار) هو ابو محمد مولی قیس، مکی امام یروی عن ابن عباس وابن عمرو وجابر و عنہ شعبہ و سفیانان و حمادان و هو عالم حجة اخرج له الانمة الستة (فی قوله) ای اللہ سبحانہ (فاذا دخلتم بیوتا) بضم الباء و کسر ہا (فسلموا علی انفسکم) ای علی اہلیکم (تعبہ من عند اللہ مبارکۃ طیبہ) (قال) ای ابن دینار و هو من كبار التابعین المکیین و فقہا نھم (ان لم یکن فی البیت أحد فقل السلام علی النبی ورحمة اللہ و برکاتہ) ای لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اہل الاسلام)

اس عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار جو کہ تابعی اور ابن عباس اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے ائمہ صحاح ستہ کے مصنفین ان سے روایت کرتے ہیں اور معزز شریف کے تابعین اور فقہاء سے درجہ کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ مذکور بالا آیت (فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل و عیال کو سلام کرو اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہو کہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ علی قاری اس سلام کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے، لہذا یہ سلام اس روح پر ہے۔
اس عبارت میں علامہ علی قاری نے آنحضرت ﷺ پر لفظ (حاضر) کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حاضر ہیں۔

اس عبارت سے ہمد صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علمائے محدثین نے آپ کو حاضر کہا ہے اور حاضر کا آپ پر اطلاق کیا ہے، جو کہ شاہد اور شہید کا معنی ہے۔ جس کی تحقیق گزر گئی ہے۔

اگرچہ اس عبارت سے جوہدہ کا مقصد ہے وہ تو پورا ہو گیا، لیکن بعض منکرین خلا بحث کے لئے اس عبارت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ عبارت میں تو بیوت اہل اسلام کی تخصیص ہے پھر ہر جگہ حاضر ہونا کیسا ثابت ہے؟ جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں تو اس سوال کے چند جواب ملاحظہ ہوں:

جواب اول: اس عبارت میں بیوت اہل اسلام کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کیونکہ آیت شریف میں بیوت کا ذکر ہے اور د. ظلم میں مخاطبین مسلمان ہیں اور چونکہ تفسیر آیت مذکورہ کی ہو رہی ہے اس وجہ سے بیوت اہل اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب دوم: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو قرآن پاک میں شاہد اور شہید فرمایا اور جس کا معنی ہمدہ حاضر اور ناظر ثابت کر چکا ہے، اس میں کسی زمان اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، تو کسی مصنف کی عبارت میں تخصیص قرآن پاک کے عموم کو باطل نہیں کر سکتی، لہذا بیوت اہل اسلام کی تخصیص اتفاقی ہی ہوگی۔

جواب سوم: شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز الخیات کے اس جملہ (السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) کی تشریح میں فرماتے ہیں:

یعنی از عرفاء غفۃ اند کہ اس خطاب جہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود، تا بانوار قرب و اسرار معرفت متور و فائز گردد۔

اس عبارت میں شیخ محقق نے عرفاء کا یہ مذہب نقل فرمایا کہ تمام موجودات و ممکنات میں حقیقت محمدیہ کا سریاں ہے اور وہ سب میں موجود اور حاضر ہے، تو نماز پڑھنے والے کو اس حضور سے غافل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا تصور کرنا چاہئے، تاکہ اس قرب اور معرفت سے وہ متور اور بہر دور ہو جائے، شیخ کی اس عبارت سے کئی امور ثابت ہوئے۔ اول: آپ پر حاضر کا اطلاق جائز ہے۔ دوم: آپ تمام موجودات و ممکنات میں موجود و حاضر ہیں، تو ثابت ہوا کہ علی قاری کی عبارت میں بیوت اللہ الاسلام کی قید اتفاقی ہے۔ سوم: جو شخص اس شہود کا منکر ہے اس کو انوار قرب اور معرفت سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہاں تک اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ حاضر ہیں اور قرآن پاک اور علمائے امت نے آپ کو حاضر کہا ہے، اب آپ کے ناظر ہونے پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں۔

مواہب لدنیہ میں ہے:

(أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله ﷺ إن الله قد رفع لي الدنيا فأنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفى هذه)

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے رکھ دیا ہے اور میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس عقلی کو دیکھ رہا ہوں۔

اب اس حدیث کے فوائد ملاحظہ ہوں۔ اول: تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے قیامت تک آنحضرت ﷺ اس کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنی عقلی اپنے سامنے کر دے تو وہ آدمی اپنی عقلی اور اس پر ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ تو یہاں سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہو گیا۔ دوم: علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مقام جملہ فعلیہ کا ہو اور وہاں جملہ اسمیہ لایا جائے تو یہ دوام کا فائدہ دیتا ہے۔ اب اگر جملہ اسمیہ کی خبر اسم ہو تو دوام ثابت مراد لیا جاتا ہے اور اگر جملہ اسمیہ میں جو خبر ہے وہ فعل مضارع ہو تو

دوام تجد مراد ہوتا ہے، دوام کی ان دونوں قسموں میں فرق بعد میں آئے گا، اس جگہ حدیث میں بھی مقام جملہ فعلیہ کا تھا لیکن جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ جس کی خبر فعل مضارع ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اول حدیث میں فرمایا گیا (قد رفع لي الدنيا) یہ جملہ فعلیہ ہے اس کا تھکا ضانیہ تھا کہ بعد میں یہ فرمایا جاتا (فأنظر إليها) لیکن اس کی جگہ فرمایا گیا (فأنظر إليها) یہ جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے جو کہ دوام تجد کا فائدہ دیتا ہے، تو اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں ہمیشہ دنیا اور ماضی کی طرف دیکھ رہا ہوں، اگر اس جملہ کی جگہ (فأنظر إليها) ہوتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آپ نے صرف ایک دفعہ ان کا ملاحظہ کیا ہے، ہمیشہ نہیں تو جملہ اسمیہ ذکر فرما کر اس وہم کو رفع کر دیا۔

فقہہ سوم: آنحضرت ﷺ کائنات کے موجود ہونے سے پہلے اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسا کہ مولانا روم کے شعر کی تشریح میں گذر چکا ہے شعر دوبارہ ملاحظہ ہو۔

در نظر بودش مقامات العباد - زیں سبب تا مش خد اشاہد نداد

اب ذرا دوام ثبات اور دوام تجد میں فرق ملاحظہ کریں۔

دوام ثبات اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی شے کا اس طرح دوام ہو کہ وہاں انقطاع بالفعل بالکل نہ ہو۔ اس کی پھر دو قسم ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ انقطاع بالفعل تو نہیں ہے لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، جیسے آسمانوں کی حرکت فلاسفہ کے نزدیک دائم اور ثبات ہے بالفعل انقطاع نہیں ہے، لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، یعنی اگر آسمان حرکت نہ کرے تو اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے۔ دوسری قسم دوام ثبات کی یہ ہے کہ بالفعل انقطاع نہیں ہے، اس کے باوجود انقطاع عقلاً محال ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی صفات کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے نہ تو انقطاع بالفعل ہے اور نہ ہی انقطاع ممکن ہے، بلکہ انقطاع محال ہے یہ قسم یعنی دوام ثبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کسی ممکن میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ ممکن نبی ہو یا ولی یا فرشتہ وغیرہ۔

یہاں تک دوام ثبات اور اس کی دو قسموں کا ذکر آ گیا ہے۔ اب دوام تجد کا معنی ملاحظہ ہو۔

دوام تجد وہ ہے کہ کسی چیز کا دوام تو ہو، لیکن یہ دوام وقفہ وقفہ سے ہو اور

دور میان میں کچھ دیر کے لئے انقطاع بھی ہوتا رہے، یہ دوام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ میں ہر گز نہیں پایا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ میں یہ دوام تجدد محال ہے، اس دوام تجدد کی ایک مثال ملاحظہ ہو، مثلاً ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ہمیشہ گندم کی روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت کھاتا ہی رہتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کھاتا ہے پھر کھانا منقطع کر دیتا ہے پھر دوسرے وقت میں روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے جو حدیث مذکور بالا میں یہ فرمایا (فانا ننظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة الحمد للہ) تو اس حدیث شریف میں اسی دوام تجدد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ جب سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو کسی چیز کی طرف التفات نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اپنے بدن شریف کی طرف بھی توجہ نہیں ہوتی یہی اس مشہور حدیث شریف کا مطلب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(لى مع الله وقت لا يسعنى فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل او كما قال عليه الصلوٰۃ والسلام)

یہاں ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو: میرے حضرت جناب سیدی مولائی حضرت اعلیٰ میر سید مر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ دوام ثبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس دوام ثبات سے وہی مراد ہے جس کا انقطاع محال ہے۔ بعض ناواقف لوگوں کو اس عبارت سے دھوکہ ہوتا ہے کہ جب دوام ثبات اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خاصہ ہے، تو نبی علیہ السلام میں کیسا دوام پایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کے علم میں دوام تجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوام ثبات ہے جس کا انقطاع اور انفکاک محال ہے۔ ہندہ نے یہ نکتہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر اعتراض کیا تھا اور ہندہ نے اس کا یہی جواب دیا۔ ہندہ حدیث شریف طبرانی کے (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) فوائد بیان کر رہا تھا اس ضمن میں فائدہ سوم میں ذرا اطولت ہو گئی ہے۔

اب حدیث شریف کا فائدہ چہارم ملاحظہ ہو۔

فائدہ چہارم: سرکار مدینہ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا (كانما انظر الى كفى هذه) اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات قیامت تک آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہے جیسے کہ کسی کے سامنے ہتھیلی ہو، جس ذات کے سامنے ساری دنیا ہتھیلی کی طرح ہو، اس کو نہ تو کسی طرف آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ متعدد ہونے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ ایک جگہ ہی تشریف فرما ہو کر سارے عالم کا مشاہدہ فرماتے ہیں، تو آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ اور ارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے حاضر ہے۔

حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا ہمین ہے، اس عقیدہ میں کئی قباحتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مستند کتب میں تصریح ہے کہ تعدد مغائرت کو مستلزم ہے اور اتحاد اور تعدد دونوں اکٹھے متصور نہیں ہو سکتے، تو اب خرابی یہ لازم آئے گی کہ خاتم النبیین متعدد اور مغائر ہو گئے حالانکہ، خاتم النبیین صرف ایک جزئی حقیقی ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔

دوسری خرابی یہ ہو گی کہ ایک عورت کے بہت سے خاندان ہو گئے۔

تیسری خرابی یہ ہو گی کہ منکر جزئی لازم آئے گا جو کہ عقلاً محال ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہو گی کہ منکرین حاضر ناظر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ بھی تو ایک جگہ ہے اور یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس جگہ پر تو ہمارے قدم ہیں، نیز بیت الخلاء بھی تو ایک جگہ ہے یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے؟ نعوذ باللہ من هذه الخرافات تو ہندہ نے جو حاضر ناظر کی حدیث شریف کے مطابق تحقیق کی ہے، اس سے ان خرافات کا قلع قمع ہو جاتا ہے، دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں مجلس میلاد سرکار دو عالم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے پر ایک منطقی اعتراض کیا ہے اس کا جواب بھی مذکورہ بالا حدیث شریف سے واضح ہو گیا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا سوال یہ ہے کہ اہل سنت کا جو یہ عقیدہ

ہے کہ آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو کیا ہر مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں یا بعض میں؟ پہلی صورت میں محض جزئی لازم آئے گا اور دوسری صورت میں ترجیح بلامرجع اور دونوں باطل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب مجالس میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور محض جزئی لازم نہیں آتا کیونکہ تمام مجالس میلاد آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح حاضر ہیں لہذا تعدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب پر لازم تھا کہ پہلے اہل سنت کا عقیدہ معلوم کرتے اور اس کے بعد اس پر اعتراض کرتے جیسا کہ مناظرہ کا طریقہ ہے۔

مجلس میلاد میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ جو سب کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ قریب ہیں، بہ نسبت حاضرین کے جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ آپ کا ملاحظہ فرمانا اسی طرح ہے جیسا ہتھیلی کی طرف دیکھنا ہو، تو ہر بندے کی ہتھیلی دوسرے بندے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، تو جس ذات کا دیکھنا حاضرین مجلس سے زیادہ قریب ہو اس کو متعدد ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں بندہ نے حاضر و ناظر کی ذرا تفصیل بیان کر دی ہے تاکہ اہل سنت کو صحیح عقیدہ معلوم ہو، یہاں ضمتنا ایک اور فائدہ بھی ملاحظہ ہو کہ ایک محض جزئی ت . . . یہ عقلاً محال ہے اور دوسرا تمثیل جزئی ہے اور یہ جائز ہے، تمثیل جزئی کا یہ مطلب ہے کہ جزئی حقیقی صرف ایک ہے اور اس کی مثالیں متعدد ہیں جو کہ اس کے مغائر ہیں چونکہ ان کے درمیان نہایت درجہ کی مشابہت ہے، اس لئے دیکھنے والا ہر ایک مثال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہی جزئی حقیقی ہے، یہ چیز بندہ نے اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض اولیائے کرام کے متعلق کتابوں میں آیا ہے وہ ایک وقت میں متعدد جگہ پر دیکھے گئے، چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کتب فقہ میں ہے کہ انہوں نے حج کا زائے سفر کسی نمان کو عطا کر دیا اور خود حج پر نہیں گئے تھے، لیکن لوگوں نے مکہ مکرمہ میں ان کو حج میں شہاد دیکھا تو یہ تمثیل جزئی ہے، ایسی حضرت شیخ تو گھر میں ہی تشریف فرما تھے اور

حج پر نہیں گئے، لیکن فرشتے نے ان کی شکل میں حج ادا کیا۔

فائدہ پنجم: قرآن کریم میں ہے قوله تعالیٰ (ملک الموت الذی وکل بکم) یعنی ایک فرشتہ ملک الموت ہے جو ارواح کے قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے تھالی پڑی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت جو ایک وقت میں کئی ارواح مختلف جگہوں سے قبض کرتا ہے تو اس کو بھی متعدد ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ بیٹھے سب جگہ سے ارواح کو قبض کر لیتا ہے، غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کا علمی رتبہ ملک الموت سے زیادہ ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرق کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام کائنات قیامت تک آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح ہے اور ساری زمین ملک الموت کے سامنے تھالی کی طرح ہے اور تھالی کی سطح ہتھیلی کی سطح سے فراخ ہوتی ہے، تو ساری زمین ملک الموت کے سامنے ذرا وسیع معلوم ہوتی ہے اور تمام کائنات کی وسعت نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس سے کم ہے۔

قبل ازیں اہل ایمان میں شہاد اور شہید کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ تمام امت کے احوال اور اعمال کا آنحضرت ﷺ مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان احوال و اعمال پر آپ کو اطلاع ہے اور صرف آپ احوال و اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں، بلکہ عالمین یعنی عمل کرنے والوں کو بھی جانتے ہیں جب ہی تو قیامت میں گواہی دیں گے، کیونکہ اگر شہاد، عامل کو نہیں جانتا تو اس پر کیسے گواہی دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ عالمین خواہ آپ کے زمانہ میں تھے یا قیامت تک جو آنے والے ہیں، سب پر آپ کو اطلاع ہے اور اس مسئلہ کو علماء کی اصطلاح میں (عرض اعمال) کا مسئلہ کہا جاتا ہے اور یہ مسئلہ بڑا معرکہ الآراء ہے۔

بندہ نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور جو لوگ اس کے منکر ہیں تو ان کے کئی گروہ ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو سرے سے عرض اعمال کا منکر ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کے احوال و اعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے، لیکن آپ کے بعد والے زمانہ کے لوگوں کی آپ کو اطلاع نہیں ہے

ایک تیسرا گروہ ہے جس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے احوال و اعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے اور کفار و منافقین کے احوال و اعمال پر اطلاع نہیں ہے، ان لوگوں کو اپنے خیال پر ولائیں قائم کرنے میں شدید دھوکے لگے ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے اچھے خاصے مفسر اور محدث ہیں اس لئے عرض اعمال پر یہاں ایک اور حدیث شریف پیش کی جاتی ہے، اس حدیث شریف سے آپ کا حاضر ناظر ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے جو کہ مدہ کا اصلی مقصد ہے، یہ حدیث شریف علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ آیت شریفہ یہ ہے (فکیف اذا جئنا من کل امة بشہید و جئنا بک علی ہؤلاء شہیدا) اس آیت شریفہ کے تحت علامہ ابن حجر نے پہلے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے راوی محمد بن فضالہ ہیں اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہی دیں گے جو آپ کے زمانہ میں تھے، اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے علامہ ابن حجر نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے حدیث شریف ملاحظہ ہو: (واخرج ابن المبارک فی الزہد من طریق سعید بن المسیب قال لیس من یوم إلا یعرض علی النبی ﷺ امۃ غدوۃ و عشیۃ فیعرفہم بسماہم و أعمالہم فلذلک یشہد علیہم) یہاں تک حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (ففی هذا المرسل ما یرفع الاشکال الذی تضمنہ حدیث ابن فضالہ) یعنی محمد ابن فضالہ کی گذشتہ حدیث سے جو یہ اشکال ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد قیامت تک جو امت آنے والی ہے، ان پر آپ گواہ نہیں ہو سکتے، اس دوسری حدیث سے جو کہ مرسل ہے وہ اشکال رفع ہو گیا، کیونکہ اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہر صبح شام ساری امت آپ پر پیش کی جاتی ہے اور آپ ہر ایک کو اس کی شکل و شہادت اور وضع قطع اور دوسری علامات سے، نیز ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں، لہذا قیامت تک جو امت آنے والی ہے سب کے لیے شہید اور حاضر و ناظر ہیں۔

اب اس حدیث شریف کے چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

اول۔ نبی اکرم ﷺ امت کے صرف اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں اور صرف اعمال کی وجہ سے ہی امت کو نہیں پہچانتے بلکہ شکل و شبہات اور علامات سے بھی ہر امتی کو پہچانتے ہیں اور قیامت میں ہر ایک کو پہچان کر اس کے اعمال پر گواہی دیں گے۔
 فائدہ دوم۔ اس حدیث شریف میں بھی یہ لفظ ہے (فیعرفہم) جو کہ معرفت سے مشتق ہے اور معرفت کا معنی پیچھے گزر چکا ہے کہ معرفت اس اوارک کو کہتے ہیں جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ اس جگہ (فیعلمہم) کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ معرفت وحی کے ذریعہ سے یا فرشتوں کی اطلاع کی وجہ سے ہوتی ہے، بلکہ یہ معرفت وحی اور ملائکہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتی ہے، چونکہ معرفت حواس کے ذریعے سے ہوتی ہے، لہذا آپ کا ناظر ہونا بھی حواس کے ذریعے سے ثابت ہو گیا۔

حاضر اور ناظر پر اور بھی دلائل ہیں جو کہ مواہب لدنیہ اور دیگر کتب سیرت میں مذکور ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے بندہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کے بعد بندہ منکرین کے چند اشکالات نقل کرتا ہے، جو کہ آپ کے حاضر ناظر ہونے کے خلاف کیے جاتے ہیں۔

اشکال اول: منکرین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی حاضر ناظر ہے اگر آپ بھی حاضر ناظر ہوں تو شرک لازم آئے گا، تو اس کے کئی جواب ہیں لیکن ان جوابات میں پراغور کرنا پڑے گا تب سمجھ آئیں گے، کیونکہ اس میں علم لغت اور علم کام کا بہت دخل ہے۔

جواب اول: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسماء توقیفی اور شرعی شریف پر موقوف ہیں۔ جنی اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق کر سکتے ہیں جو قرآن اور حدیث میں آیا ہے اور جو اسم قرآن و حدیث میں نہیں آیا اس اسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء قرآن و حدیث میں ہیں ان میں کہیں حاضر ناظر نہیں ہے تو اس صورت میں شرک سے لازم آئے گا؟

اس مسئلہ پر کتب کام سے دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری مولانا عبدالحکیم

سینکونی رحمہ اللہ حاشیہ خیالی میں شرح مواقف سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
(اعلم أنه لا كلام في جواز إطلاق أسماء الأعلام الموضوعة في اللغات له بل إنما النزاع في الأسماء المأخوذة من الصفات والأفعال فذهب المعتزلة والكرامية إلى أنه إذا دل العقل على اتصافه تعالى بصفة وجودية أو سلبية جاز أن يطلق عليه تعالى اسم يدل على اتصافه تعالى بها سواء ورد بذلك إذن الشرع أولاً وكذا الحال في الأفعال وقال القاضي أبو بكر منا كل لفظ دل على معنى ثابت فيه جاز إطلاقه عليه بلا توقيف إذالم يكن موهماً بما لا يليق بذاته تعالى وقد يقال لا بد مع نفى ذلك الإيهام من الإشعار بالتعظيم حتى يصح الإطلاق بلا توقف وذهب الشيخ واتباعه إلى أنه لا بد من التوقيف وهو المختار وذلك الاحتياط احترازاً عما يؤهم باطلاً، لعظم الخطر في ذلك فلا يجوز الاكتفاء في عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا بل لا بد من الاستناد إلى إذن الشرع كذا في شرح المواقف)

خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سماء دو قسم کے ہیں اول علم جو کہ ذات کے لئے موضوع ہے اور یہ عربی میں صرف لفظ اللہ ہے۔ دوم وہ اسماء جو صفات اور افعال سے مشتق ہیں، جیسا کہ علیم و قدیر و سمیع و بصیر و حی و متکلم و خالق و رازق و محیی و ممیت و معز و مذل۔ قسم اول یعنی علم یہ شرع پر موقوف نہیں ہے ہر شخص اپنی لغت میں علم وضع کر سکتا ہے، جیسے فارسی والے خدا کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں گاڈ (God) اور جو دوسرے قسم کے اسماء صفات ہیں ان میں شیخ ابو الحسن اشعری جو کہ علم کلام میں اہل سنت کے امام ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسماء توقیفی ہیں، یعنی سماع شرع پر موقوف ہیں، جن اسماء صفات کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے صرف ان ہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے، ہم اپنی طرف سے اپنے علم کے مطابق کسی نام کا اطلاق نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم تو اپنے علم کے مطابق یہ گمان کر رہے ہیں کہ اس اسم میں کمال فضیلت ہے اور کسی باطل کا شبہ نہیں ہے لیکن یہ گمان ہے کہ واقعہ میں ہم کو غلطی واقع ہو گئی ہو اور اس اسم میں سوء ادلی اور بطلان ہو۔

لہذا ہم کے لئے اذن شرع ضروری ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو اسم شرع پر لفظ میں وارد ہوا ہے اس کا مترادف اور ہم معنی اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ مترادف ہمارے علم کے مطابق ہم گمان کر سکتے ہیں کہ یہ دو لفظ مترادف ہیں، ہو سکتا ہے کہ مترادف نہ ہوں اور اس کو ہم مترادف سمجھ رہے ہوں اس میں کسی نقص کا وہم ہو اور یہ مقام بڑا عظیم الشان ہے، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہے جو کہ بہت ہی مہرہ، مغزہ، مقدس و شریف ہے اس میں احتیاط کی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

کتاب کلام میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں، مثلاً جو اد اور سخی مترادف ہیں اور عالم اور عارف اور فقیہ اور عامل یہ مترادف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پر ان میں سے صرف جو اد اور عالم کا اطلاق جائز ہے جو کہ شرع شریف میں وارد ہے سخی اور عارف اور فقیہ اور عامل کا اطلاق ناجائز ہے، اس پر مزید دلیل ملاحظہ ہو۔

(اذنا نسلم أن الأذن بالشئى إذن بمرادفه ولازمه لاحتمال أن يكون ذلك المرادف واللازم مؤهمن للنقص ولا يجوز الاكتفاء في عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا لا احتمال عدم اطلاعننا على وجه إيهام فالتوقف واجب احتياطاً لعظم الخطر في ذلك كما هو مذهب الشيخ الأشعري (والله)

اس عبارت میں فاضل محشی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مترادف کے اطلاق کے قائل ہیں۔ خلاصہ رد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک شے کا لفظ دیا ہے، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ اس کے مترادف اور لازم کا بھی علم ہو، کیونکہ مترادف اور لازم لفظ ہمارے علم پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے علم میں غلطی واقع ہوئی ہو اور واقعہ میں لازم اور مترادف نہ ہو، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ میں ہے، لہذا احتیاط واجب اور ضروری ہے، البتہ قاضی ابو جعفر باقلانی جو کہ علماء اہل سنت میں سے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ میں پایا گیا ہے تو اس معنی پر جو لفظ

وال ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابو بکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں۔
اول یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ وہ لفظ مشعر بالتعظیم ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔

اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا اطلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا۔ اور قاضی ابو بکر باقلائی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص ہندو دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا۔

جواب دوم۔ یہاں ہندو ایک لغوی بحث پیش کرے گا جس سے ثابت ہو گا کہ

ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے اور اس میں نقص کا قوی وہم ہے۔

مقامات کے حاشیہ میں ہے:

(اعلم ان الرؤية إدراك المعنوي والنظر هو الاقبال بالبصر نحو المعنوي ولذلك قد ينظر ولا يراه ومنه لا يقال لله ناظر)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ایک رویت ہے اور دوسری نظر ہے رویت نظر کو لازم نہیں کیونکہ رویت کا معنی إدراك المعنوي یعنی کسی شے کو دیکھ لینا اور نظر کا معنی ہماری زبان میں دیکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ دیکھنے کو دیکھ لینا لازم نہیں ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے قد ينظر ولا يراه یعنی فلاں نے دیکھا تو تھا لیکن وہ شے نظر نہ آئی، اب اگر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کریں گے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض چیزوں کی طرف دیکھتا ہے، لیکن وہ چیز نظر نہیں آتی اور اس میں شدید توجہ ہے نعوذ باللہ من هذه القبائح۔ اس لئے محض کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناظر نہ کہا جائے۔

قارئین! ہندو نے جو یہ حاشیہ مقامات کی عبارت نقل کی ہے یہ عبارت

ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابو بکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں۔
اول یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ وہ لفظ مشعر بالتعظیم ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔
اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا اطلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا۔ اور قاضی ابو بکر باقلائی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص ہندو دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا۔

جواب دوم۔ یہاں ہندو ایک لغوی بحث پیش کرے گا جس سے ثابت ہو گا کہ ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے اور اس میں نقص کا قوی وہم ہے۔
مقامات کے حاشیہ میں ہے:
(اعلم ان الرؤية إدراك المعنوي والنظر هو الاقبال بالبصر نحو المعنوي ولذلك قد ينظر ولا يراه ومنه لا يقال لله ناظر)
خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ایک رویت ہے اور دوسری نظر ہے رویت نظر کو لازم نہیں کیونکہ رویت کا معنی إدراك المعنوي یعنی کسی شے کو دیکھ لینا اور نظر کا معنی ہماری زبان میں دیکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ دیکھنے کو دیکھ لینا لازم نہیں ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے قد ينظر ولا يراه یعنی فلاں نے دیکھا تو تھا لیکن وہ شے نظر نہ آئی، اب اگر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کریں گے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض چیزوں کی طرف دیکھتا ہے، لیکن وہ چیز نظر نہیں آتی اور اس میں شدید توجہ ہے نعوذ باللہ من هذه القبائح۔ اس لئے محض کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناظر نہ کہا جائے۔
قارئین! ہندو نے جو یہ حاشیہ مقامات کی عبارت نقل کی ہے یہ عبارت

ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابو بکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں۔
اول یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو۔
دوسرا یہ کہ وہ لفظ مشعر بالتعظیم ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔
اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا اطلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا۔ اور قاضی ابو بکر باقلائی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص ہندو دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا۔

جواب سوم۔ اگر بالفرض واللہ یہ حاضر ناظر اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہو تو پھر جبکہ کئی دوسرے اسماء الہیہ کا اطلاق نبی علیہ السلام پر ہوتا ہے تو اگر حاضر ناظر کا اطلاق

آپ پر ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ مثلاً شاہد و شہید در وصف در حیم ان چاروں کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر آگیا ہے حالانکہ یہ اسماء الہیہ میں سے ہیں۔ دراصل منکرین کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور ہندے کی صفات میں فرق کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق جو ہندے پر ہو جاتا ہے تو یہ صرف لفظی اشتراک ہے، ان کے معانی میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے شاید منکرین اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے جیسی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے پیٹ میں شرک کا درد اٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور ہندے کی صفات کے درمیان فرق ملاحظہ ہو۔

شرح عقائد میں ہے :

(لا یشبہہ شیء ای لا یماثلہ) - أما إذا أريد بالعمالة الاتحاد في الحقيقة فظاهر أما إذا أريد بها كون الشئین بحيث یسند أحدهما مسند الآخر ای یصلح کل منهما لما یصلح له الآخر فلان شینا من الموجودات لا یسند مسنده فی شیء من الأوصاف فان أوصافه من العلم والقدرة وغير ذلك أجل وأعلی مما فی المخلوقات بحيث لا مناسبة بینهما قال فی البدایة: إن العلم منّا موجود و عرض وعلمٌ محدثٌ وجانوَ الوجود ویجدد فی کل زمان فلو أثبتنا العلم صفة لله لکان موجوداً و صفة قديمة و واجب الوجود و دانما من الأزل إلى الأبد فلا یماثل علم الخلق بوجه من الوجوه)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے، کیونکہ مثل کے ددعی معنی ہیں یا تو مثل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد ہو اور ظاہر ہے کوئی موجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد نہیں ہے اور مثل کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل وہ ہے کہ صفات میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہو سکے اور کوئی شے اپنی صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور مخلوق کے علم و قدرت میں بہت بڑا فرق ہے اور ان میں

کوئی مناسبت نہیں۔ مثلاً ہندہ کا علم عرض ہے جو کہ محل کی طرف محتاج ہے اور حادث ہے یعنی پہلے معدوم تھا اور بعد میں موجود ہوا اور جائز الوجود ہے، یعنی اگر یہ علم نہ ہو تو کوئی ثرائی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایسی صفت ہے کہ قدیم ہے یعنی اس کی ہنداء نہیں اور واجب الوجود ہے یعنی علم کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہے اور انفکاک محال ہے اور ازل سے بد تک دائم ہے، لہذا کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی مثل نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں۔

اشکال دوم۔ ہندہ نے جو شاہد اور شہید کا معنی ذکر کیا ہے اس پر منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا (ویکون الرسول علیکم شہیداً) سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (لتکونوا شہداء علی الناس) یعنی تم لوگوں پر قیامت میں گواہی دو گے، تو اگر شاہد اور شہید کا معنی حاضر کیا جائے تو ساری امت حاضر ناظر ہو جائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس سوال کے دو جواب ملاحظہ ہوں۔

جواب اول۔ مذکورہ بالا سوال منکرین کا بہت مشہور سوال ہے اور اس سے عوام کو کافی دھوکہ لگتا ہے۔ اس لئے اس جواب کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ اور اس پر غور لازمی ہے۔ تفصیل آیت کی یہ ہے کہ پہلی امتیں قیامت میں انکار کریں گی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور اس نے ہم کو کوئی تبلیغ نہیں کی اور اگلی امتوں کے رسول یہ فرمائیں گے کہ ہم ان کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تھی، تو اللہ تعالیٰ رسولوں سے اس دعویٰ پر گواہ طلب فرمائے گا، تو رسول کہیں گے کہ ہماری گواہ امت محمد ﷺ ہے، پھر یہ امت قیامت میں گواہی دے گی کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحیح فرماتے ہیں کہ یہ پنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی، اگلی امتیں اس امت پر اعتراض کریں گی کہ تم تو ہم سے بہت پیچھے پیدا ہوئے اور تم ہمارے زمانہ میں موجود نہیں تھے تو پھر تم ہم پر کس طرح گواہی دے سکتے ہو؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اس کتب مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو خبر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی۔

اس پر بیضاوی شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(روى أن الامم يوم القيامة يحدون تبليغ الأنبياء عليهم السلام فيطالبهم الله تعالى بيّنة التبليغ و هو أعلم بهم إقامة للحجة على المنكرين فيؤتى بأمة محمد ﷺ فيشهدون فتقول الامم من اين عرفتم؟ فيقولون علمنا ذلك باخبار الله تعالى في كتابه الناطق على لسان نبيه الصادق)

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ قیامت کے دن امتیں تبلیغ انبیاء کا انکار کریں گی، تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، اس کے باوجود گواہ اس لئے طلب کیے جائیں گے تاکہ منکرین پر دلیل قائم ہو، پس امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی، تو سابقہ امتیں اعتراض کریں گی کہ تم کو اس کا کیسے مشاہدہ حاصل ہوا؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کتاب کے ذریعہ سے خبر دی جو نبی صادق ﷺ پر نازل فرمائی، تو اس آیت میں بھی شہادت کا معنی حضور ہے کیونکہ حضور دو قسم ہے۔ اول حضور ذاتی اور دوم حضور علمی جیسا کہ علم کی تعریف کتب منطق میں ہے (العلم هو الحاضر عند المدرك) (تو نبی علیہ السلام کی شہادت میں حضور ذاتی ہے اور امت کی شہادت میں حضور علمی اور حاضر ناظر وہ ہے جس کے لئے حضور ذاتی ہونے کے لئے حضور علمی ہو۔ اس پر دلیل ملاحظہ ہو۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

(والمشاهدة بمعنى المعاينة للحضور إما بذاته و شخصه

كما في الامام والناصر وإما بعلمه كما في القائم بالشهادة)

یعنی مشاہدہ کا معنی دیکھنا اور حضور ہے، یا تو یہ حضور بذاتہ اور بشخصہ ہو گا جیسا کہ امام اور ناصر ہوتا ہے کہ امام کے سامنے جب مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یا ناصر جب کسی کی مدد کرتا ہے تو یہ دونوں بذاتہ اور بشخصہ حاضر ہوتے ہیں اور جو آدمی عدالت میں گواہی دیتا ہے تو اسکو واقعہ کا حضور علمی ہوتا ہے، یعنی وہ واقعہ اس کے ذہن میں حاضر ہوتا ہے

اگرچہ گواہی دینے کے وقت واقعہ کے مقام پر بذاتہ اور بشخصہ حاضر نہیں ہوتا۔

اسی حاشیہ بیضاوی میں فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

(وقد مر في تفسير قوله وادعوا شهداءكم أن التركيب

يدل على الحضور إما ذاتاً أو علماً)

یعنی پہلے گزر چکا ہے کہ شہادت کی ترکیب حضور بذاتہ اور حضور یا ذاتی ہوتا ہے یا علمی۔

علامہ بیضاوی نے (قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه) کی تفسیر میں فرمایا:

(فمن حضر في الشهر ولم يكن مسافراً فليصمه فيه وقيل

فمن شهد منكم هلال الشهر فليصمه)

یعنی یہاں بھی شہادت کا معنی حضور ہے اور اس کے دو معنی ہیں۔ معنی اول۔ وہ شخص کہ رمضان میں اپنے گھر میں حاضر ہے اور مسافر نہیں ہے۔ معنی دوم یہ کہ جو ہلال رمضان کو حاضر ہے یعنی جس نے چاند کو دیکھا ہے وہ روزہ رکھے پہلے معنی میں حضور ذاتی مراو ہے اور دوسرے معنی میں حضور علمی مراو ہے۔

دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

(في القاموس شهدة شهودا أي حضره وشهد الله أنه لا اله إلا

هو أي علم وقد مر في تفسير قوله تعالى وادعوا شهداءكم

أن التركيب يدل على الحضور إما ذاتاً أو علماً)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ حضور دو قسم ہے۔ ذاتی اور علمی اور یہ جو فرمایا گیا ہے (شہد الله أنه لا اله إلا هو) یہاں حضور علمی مراو ہے۔

علامہ بیضاوی نے جو فمن شهد منكم الشهر کے دو معنی بیان کیے ہیں، ان میں فاضل لاہوری اپنے حاشیہ میں فرق بیان کرتے ہیں:

(فالاول مبني على أن الشهود بمعنى الحضور ذاتاً والوجه الثاني مبني

على أنه بمعنى الحضور علماً أي من علم هلال الشهر و يتقن به)

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضور دو قسم ہے اول حضور

ذاتی جو کہ ویکون الرسول علیکم شہداء میں مراد لیا گیا ہے اور دوسرا حضور علمی جو کہ لتکونوا شہداء علی الناس میں مراد لیا گیا ہے۔ لہذا دوسرا اشکال رفع ہو گیا یہاں تک دوسرے اشکال کا پہلا جواب ختم ہوا۔ اب دوسرا جواب شروع ہوتا ہے۔

جواب دوم۔ یہ ایک مسلم قاعدہ اور قانون ہے کہ لفظ کا ایک معنی حقیقی ہوتا ہے اور ایک مجازی، ہر جگہ لفظ کا حقیقی معنی لیا جائے گا اور حقیقی معنی کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقی معنی کے لئے قرینہ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ معنی کا حقیقی ہونا ہی اس کے مراد ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور جہاں حقیقی معنی نہیں بن سکتا تو وہاں معنی مجازی لیا جاتا ہے اور معنی مجازی کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ آج کل ایک بڑی رسم چل نکلی ہے کہ جس جگہ لفظ کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو وہاں حقیقی معنی کا انکار ہی کر دیا جاتا ہے۔ اور عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقی معنی ہوتا تو یہاں بھی وہ درست ٹھہرتا، یہ طریقہ غلط ہے اور جاہلوں کا کام ہے، کیونکہ حقیقی معنی تو لغت سے ثابت ہے، اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا جس جگہ حقیقی معنی نہیں بن سکے گا وہاں تاویل کی جائے گی۔

اگرچہ یہ قاعدہ قانون ہر اہل علم جانتا ہے، لیکن پھر بھی اس کی وضاحت کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً عربی لغت میں لفظ اسد کی وضع حیوان مفترس (جیر نے پھاڑنے والے حیوان) کے لئے ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اب عربی کا ایک اور محاورہ ہے (وایت اسدا یومی) یعنی میں نے اس شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا، اس محاورہ میں اسد کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو کوئی ذی علم یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ اس محاورہ میں اسد کا معنی حیوان مفترس نہیں ہو سکتا، لہذا یہ اسد کا حقیقی معنی ہی نہیں ہے، جبکہ ہر ذی علم جانتا ہے کہ اسد کا حقیقی معنی تو وہی حیوان مفترس ہے، لیکن یہاں قرینہ کی وجہ سے معنی مجازی مراد لیں گے، منکرین کو یہاں بھی مذکورہ بالا دھوکہ ہوتا ہے، ہندو نے امت کے لحاظ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں بھی شہادت کا مادہ مستعمل ہو گا تو وہاں شہادہ اور حضور کا ہونا ضروری ہے، لہذا اس معنی کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تو قرآن پاک میں جہاں جہاں آنحضرت ﷺ کو شاہد یا شہید فرمایا گیا ہے تو ہم نے وہاں احادیث

اور مفسرین کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہاں حضور اور مشاہدہ والا معنی مراد ہے اب منکرین کے خیال میں آیت (لتکونوا شہداء علی الناس) میں حضور اور مشاہدہ والا معنی نہیں بن سکتا تو وہ سرے سے حضور اور مشاہدے، یعنی حقیقی معنی کا ہی انکار کر دیتے ہیں، جو کہ بڑی کم علمی ہے، لہذا ان کو جانا چاہیے کہ آیت لتکونوا شہداء علی الناس میں اگر حقیقی معنی تہمارے خیال میں نہیں بن سکتا، تو اس آیت میں توجیہ اور تاویل کرنی چاہیے کہ یہاں شہادت سے مراد یہ ہے کہ امت نے قرآن میں پڑھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی، نیز اس امت نے صادق و صدوق ﷺ سے یہی مضمون سنا اور امت کا یہ علم چونکہ مشاہدے سے بڑھ کر ہے، لہذا یہ امت مرحومہ اگلی امتوں پر گواہی دے گی۔

اس کی مثال حدیث پاک میں ملاحظہ ہو۔ ایک صحابی جن کا نام حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حق میں گواہی دی حالانکہ یہ موقع پر حاضر نہ تھے، تو آنحضرت ﷺ نے انکو فرمایا کہ تم جب موقع پر حاضر نہ تھے تو پھر کیوں شہادت دی؟ تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ جب آپ نے فرمایا تو مجھے اس طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ جیسے دیکھی جاتی ہے، اس لئے میں نے گواہی دے دی ہے، آنحضرت ﷺ حضرت خزیمہ پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا کہ جس واقعہ کا گواہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو۔ وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے، اس جگہ بھی شہادت کا حقیقی معنی نہیں ہو سکتا تھا، تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور اور مشاہدہ نہیں ہے، لہذا شہادت میں حضور اور مشاہدہ کوئی ضروری نہیں، بلکہ شہادت کا وہی معنی لیا جائے گا جو کہ حقیقی ہے اور جس میں حضور اور مشاہدہ ضروری ہے اور حضرت خزیمہ کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہاں شہادت سے مراد علم یقینی ہے، تو یہ امت مرحومہ قیامت میں امم سابقہ پر گواہی دے گی، یہ شہادت اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک جیسی ہے، یعنی دونوں کی مراد علم یقینی ہے اور یہ علم یقینی اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حاصل ہوا۔

اشکال سوم۔ بعض نا سمجھ لوگ شہادت کے حقیقی معنی پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ تمام مسلمان کلمہ شہادت پڑھتے ہیں یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبده ورسوله۔ اب اگر شہادت کا معنی حاضر ناظر ہو تو لازم آئے گا کہ ہم اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہے ہیں، تو ہم بھی حاضر ناظر ٹھہرے۔

جواب: ہندہ پہلے مفردات امام راغب کی عبارت سے ثابت کر چکا ہے کہ شہادت میں جو حضور اور مشاہدہ ہوتا ہے وہ کبھی بصر، یعنی آنکھ سے اور کبھی بصیرت، یعنی عقل سے ہوتا ہے، نیز فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور یا زانا ہوتا ہے یا علما اور قولہ تعالیٰ (شہد اللہ انہ لا الہ الا هو) یہاں حضور علمی ہے، تو اب سوال کا جواب واضح ہے کہ مسلمان جو کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، تو اس کی تصدیق اور علم ان کی بصیرت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور بصیرت اس کا مشاہدہ کرتی ہے، تو اب یہاں بھی حضور پایا گیا، لہذا کوئی اشکال نہیں ہے، ہم سے پہلے علمائے کرام علوم شریعہ میں ماہر ہوتے تھے۔ لہذا ان کے سوالات بھی معقول ہوتے تھے اور جواب بھی معقولیت سے دیا جاتا تھا، آج کل چونکہ علمائے کرام علوم شرعیہ میں نہایت کمزور ہیں، اس لئے ایسے غیر معقول سوال کرتے ہیں کہ سمجھ دار آدمی کو تعجب ہوتا ہے۔

اشکال چہارم۔ صحیح مسلم میں ہے (عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ اتی المقبرۃ فقال: السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رايت اخواننا قالوا او کسنا اخوانک یا رسول اللہ قال اندہ اصحابی وایخواننا الذین لم یاتوا بعد، فقالوا کیف تعرف من لم یات بعد من امتک یا رسول اللہ فقال: ارايت لو ان رجلاً له خیل غر محبلة بین ظہری خیل دھم بهم الا يعرف خیلہ؟ قالوا: بلی یا رسول اللہ! قال فانہم یأتون غراً محجلین من الوضوء۔ وانا فرطہم علی الحوض، الا لنادن رجال عن حوضی، کما یزاد البعیر الضال، اناد بہم الا ہلم فیقال: انہم قد بدلو بعدک فأقول: سحقاً سحقاً)

اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور ان کو سلام دیا پھر فرمایا کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، صحابہ نے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے، تو صحابہ نے عرض کی کہ جو لوگ اب تک آپ کی امت میں سے نہیں آئے، ان کو آپ کس طرح پہچانیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ کہ کسی شخص کا گھوڑا غر مجل ہو یعنی اس کے چار پاؤں اور ماتھا سفید ہو اور وہ گھوڑا بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنا گھوڑا پہچان نہیں لے گا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! خوب پہچان لے گا، تو آپ نے فرمایا وہ لوگ بھی قیامت کے دن غر مجل ہوں گے یعنی ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی وضو کے سبب نورانی ہوگی اور میں حوض کوثر پر ان کا انتظام کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے جو میرے حوض سے دور کیے جائیں گے جیسا کہ کسی کا گم شدہ اونٹ حوض سے دور کیا جاتا ہے، تو میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین تبدیل کر لیا تھا تو میں، کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! دور ہو جاؤ!

جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے کہ ان کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے متعلق مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہے (ولیصلن عنی طائفة منکم فلا یصلون، فأقول: یارب هؤلاء من اصحابی فیحیی منک فیقول: هل تدری ما احدثوا بعدک) اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں تم میں سے ایک گروہ قیامت کے دن مجھ سے دور کیا جائے گا، پس وہ گروہ نہیں پہنچ سکے گا، تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب سے ہیں، تو فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں وہ چیز جو انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی؟ جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے ان سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں اور جو لوگ آپ کے زمانہ میں مسلمان تھے اور بعد میں مرتد ہو گئے۔

منکرین حاضر و ناظر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں، اگر مطلع ہوتے تو ان کو کیوں کہتے

کہ ادھر آؤ، نیز ان کو کیوں کہتے؟ کہ یہ میرے اصحاب سے ہیں، نیز فرشتہ یہ کیوں کہتا کہ ہل ندری ما احد ثوابعدک کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے جو انہوں نے بعد میں پیدا کیا ہے، یہ احادیث منکرین، عرض اعمال اور آنحضرت ﷺ کے علم کلی کے خلاف بھی استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان احادیث کے سمجھنے میں منکرین اور ان کے محدثین کو بہت سی لغزشیں واقع ہوئی ہیں، لہذا اس سوال کے جوابات میں مدہ ذرا زیادہ تفصیل بیان کرے گا امید ہے کہ منصف لوگ اس کی قدر کریں گے۔

جواب اول۔ مدہ کہ چکا ہے کہ باطل ظاہر ہوتا ہے اور حق پوشیدہ ہوتا ہے ان احادیث میں غور کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا دنیا میں بھی پورا پورا علم تھا اور قیامت میں بھی ان کا علم ہوگا، کسی صورت میں منکرین احادیث کے ساتھ استدلال نہیں پکڑ سکتے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔

جواب کی تمہید کے لئے ایک حدیث کا پہلے ذکر ضروری ہے۔ مسلم اور بخاری دونوں میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر شے کو قیامت تک بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا اس کو بھول گیا اور میرے یہ دوست اس کو جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسی شے واقع ہو جاتی ہے کہ میں اسے بھول گیا تھا، پس جس وقت میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آ جاتی ہے کہ یہ تو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔ جیسا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے غائب ہو جاتا ہے اور آدمی اس غائب کو بھول جاتا ہے اور جب دوبارہ دیکھتا ہے تو اس کو یاد آ جاتا ہے۔ کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کو میں نے پہلے دیکھا تھا، اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے جو واقعات استقبالیہ سنے تھے اگرچہ درمیان میں ان کو بھول گئے، لیکن جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تھا تو صحابہ کرام جان جاتے تھے کہ یہ تو وہی واقعہ ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔

اب ذرا مسلم شریف کی حدیث کی طرف آئیے جب آنحضرت ﷺ نے دنیا میں صحابہ کرام کو فرمادیا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے کہ میں انکو اپنی طرف

ان کا، تو فرشتے کہیں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور پھر میں ان کو کھوں گا کہ دور ہو جاؤ! تو اسی سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا میں ان کے کفر کا علم تھا، جیسے اس حدیث کو پڑھنے والے کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ مرتدین ہیں اور آپ کی امت میں ہیں، تو جب قیامت میں یہ واقعہ پیش آئے گا تو آپ کو اس وقت بھی ان لوگوں کا یقیناً علم ہو گا کہ یہ وہی مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو بتایا ہوں، بلکہ قیامت میں جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ بھی علم ہو گا کہ میں ان کے متعلق یہ کہوں گا کہ (ہؤلاء منی اصحابی) اور فرشتہ مجھے یہ جواب دے گا کہ (ہل ندری ما احد ثوابعدک) منکرین کی یہ کتنی افسوس ناک بات ہے؟ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو جو واقعہ حضور سے سنیں کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے تو جب وہ واقعہ پیش آئے تو صحابہ کرام کو علم ہو جائے کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کا حضور نے تذکرہ فرمایا تھا اور منکرین کے اعتقاد کے مطابق آنحضرت ﷺ جس واقعہ کا ذکر دنیا میں صحابہ کرام کے سامنے فرماتے ہیں اور دنیا میں اس واقعہ کا آپ کو علم ہے تو جب قیامت کے دن وہ واقعہ پیش آتا ہے تو آپ کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ یہ تو وہی واقعہ ہے کہ جو میں نے دنیا میں بیان کیا تھا، تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق صحابی کا علم سرور دو عالم ﷺ کے علم سے زیادہ پختہ ہوا، کیونکہ صحابی نے جو آپ سے سنا تھا جب وہ واقعہ اس کے سامنے آیا تو اسکو علم ہو گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو میں نے سنا تھا، لیکن آنحضرت ﷺ دنیا میں ایک واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہونے والا ہے، لیکن جب وہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق آپ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو دنیا میں بیان کر چکا ہوں۔ کیا اس عقیدہ والا آدمی آپ کے ساتھ محبت میں مخلص ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اب واضح ہو گیا کہ جب آپ قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے تو پہلی نظر میں پہچان جائیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو کر آیا ہوں۔

غور فرمائیں کہ اس پندرہویں صدی کے اہل سنت جو مسلم شریف کی ان احادیث کو پڑھتے ہیں اور ساری عمر پڑھاتے رہتے ہیں اور دنیا میں ان کو علم ہے کہ یہ

کفار اور مرتدین ہیں۔ یہ اہل سنت جب قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ یہ لوگ حوض کوثر سے روکے جا رہے ہیں، تو فوراً معلوم کر لیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر ہم مسلم شریف میں دنیا میں پڑھ آئے ہیں اور پڑھائے ہیں تو پھر شارع علیہ السلام کو جن کو علم نہایت ہی قوی ہے، کس طرح قیامت میں علم نہیں ہوگا؟ جن کے علم کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے کہ (ان علینا بیانہ) کے اے محبوب! قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے، رہا یہ سوال کہ جب آپ ان کو جانتے ہیں تو پھر قیامت میں ان کے متعلق سوال کیوں کریں گے؟ تو اس کا جواب مدہ ان شاء اللہ آگے چل کر مدلل اور حوالہ مستبہ عند المعرین بیان کرے گا۔ انتظار فرمائیں۔

جواب دوم۔ ان ہی احادیث کے اوّل میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ جن بھائیوں کے دیکھنے کی آپ تمنا فرما رہے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں، ان کو آپ کیسے شناخت کریں گے کہ یہ میری امت اور میرے بھائی ہیں؟ تو آپ نے نہایت واضح مثال دے سمجھایا کہ میں ان کو کس طرح شناخت کروں گا، مثال یہ ہے کہ ایک مدہ کا گھوڑا غرہ نجل ہو یعنی اس کے پاؤں اور پیشانی سفید ہو اور وہ بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنے گھوڑے کی شناخت نہیں کرے گا؟ اب جس آدمی کا گھوڑا غرہ نجل ہو اور اس آدمی کے سامنے ایک بالکل سیاہ گھوڑا پیش کیا جائے جس کو اس آدمی نے اس سے پہلے بالکل نہیں دیکھا اور اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا گھوڑا ہے یا نہیں؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ میرا گھوڑا نہیں ہے، کیونکہ میرے گھوڑے والی علامتیں اس میں موجود نہیں اور اگر یہ شخص یہ کہے کہ میرے گھوڑے کی فلاں فلاں علامتیں ہیں اور وہ علامتیں اس سیاہ گھوڑے میں نہیں پائی جاتیں۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ میرا گھوڑا ہے یا نہیں۔ تو ایسے آدمی کو کوئی عقل مند، سمجھ دار نہیں کہے گا۔ بلکہ بتوں کہے گا، تو جب آپ نے اپنی امت کی علامتیں غرہ نجل فرمائی ہیں اور یہ علامتیں مومنوں میں پائی جائیں گی اور کفار مرتدین میں نہیں پائی جائیں گی، تو یقیناً

امت میں آپ مومنوں کو تو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں اور کفار کو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامات نہیں پائیں گے اور ان میں بھی دوست اور اجنبی کی شناخت کا یہی طریقہ ہے کہ آدمی دوست کی شکل اور چہرہ مرہ جانتا ہے، اب اس شخص کے سامنے اگر ایک اجنبی کو پیش کیا جائے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تجھے علم ہے کہ یہ تمہارا دوست ہے یا تم کو علم ہے کہ یہ تمہارا دوست نہیں ہے؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ میرا دوست نہیں ہے، کیونکہ میرے دوست کی شکل اور چہرہ مرہ اس میں نہیں پایا جاتا اگر وہ شخص یہ کہے کہ میرے دوست کی علامات تو اس اجنبی میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ اجنبی میرا دوست ہے یا کہ نہیں ہے تو اس کو سفید (بے خوف) کہا جائے گا۔

منکرین کے عقیدہ کے مطابق اگر قیامت میں آپ امت اور غیر امت میں اور مومنوں اور کفار مرتدین میں امتیاز فرما سکیں گے، تو غرہ نجل والی حدیث کی تکذیب ہوتی ہے، حقیقت ہے منکرین کے محدثین پر جو یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کو تو آپ علامات سے پہچانیں گے اور کفار و مرتدین کو باوجود اس کے کہ ان میں وہ علامات نہیں ہیں، پہچان نہیں سکیں گے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ قیامت میں امتیاز کی مدار غرہ اور نجل پر ہے، مسلمانوں میں یہ علامتیں موجود ہوں گی، لہذا وجود علامات کی وجہ سے مومنوں کو پہچانیں گے اور کفار مرتدین میں غرہ اور نجل کی نفی ہوگی لہذا کفار مرتدین کو اس نفی کو وجہ سے پہچانیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا تو معاملہ ہی اور ہے جو علمائے اہل سنت غرہ اور نجل والی حدیث کو دنیا میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، وہ بھی قیامت میں ان علامات کے اثبات اور نفی سے اس امت مرحومہ اور غیر امت میں آسانی سے امتیاز کر لیں گے۔

اگر منکرین کے محدثین سے کوئی پوچھے کہ کیا اس غرہ اور نجل کی علامت سے تم مومنوں اور کفار مرتدین کو قیامت میں پہچان لو گے یا نہیں؟ تو میرے خیال میں یہ اثبات میں جواب دیں گے، تو گو یہ لوگ سر در دو عالم کے علم کو اپنے علم سے بھی

کتر جانتے ہیں۔ نعوذ باللہ من هذه العقيدة القبيحة۔

قارئین کرام۔ چونکہ حدیث مسلم شریف سے منکرین، عوام کو بدادھوکہ دیتے ہیں، اس لئے جواب میں طوالت آگئی ہے اور قارئین کو تکرار کا بھی وہم ہو گا لہذا بندہ معذرت خواہ ہے۔

جواب سوم۔ مستدرک حاکم میں بندہ نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے جن کو حوض کوثر سے روکا جا رہا ہوگا۔ تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ان لوگوں میں ہوں گا یا نہ؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم ان میں نہیں ہو گے، تو اس سے بھی پتہ چلا کہ ان کفار اور مرتدین کا دنیا میں آپ کو پورا پورا علم ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہوئے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ هؤلاء من اصحابی تو آپ کو دنیا میں ان لوگوں کا علم تھا جنہوں نے بعد میں مرتد ہونا تھا۔

جواب چہارم۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی جو مرسل حدیث ذکر فرمائی ہے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے دوبارہ ملاحظہ ہو: (ليس من يوم الا يعرض على النبي ﷺ امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهد عليهم ففى هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذى تضمنه حديث ابن فضالة)

اس حدیث شریف میں یہ امر صراحتاً مذکور ہے کہ خواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا قیامت تک آنے والی امت آپ صرف ان کے اعمال پر ہی مطلع نہیں ہوئے۔ عمل کرنے والوں کو بھی ان کی شکل اور چہرہ مرہ سے پہچانتے ہیں اور یہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختار ہے۔ لہذا ابن حجر رحمہ اللہ نے اخیر میں فرمایا کہ ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوتا تھا کہ آپ صرف ان لوگوں کو جانتے ہیں، آپ کے زمانہ میں تھے، وہ اشکال اس مرسل حدیث سے رفع ہو گیا، کیونکہ اس حدیث میں زمانہ کی تخصیص نہیں ہے، اس لئے کہ ہر روز صبح و شام امت اور اس کے عالمین آپ کے

سامنے پیش کیے جاتے ہیں نیز تفسیر عزیزی سے بھی یہی مضمون گذر چکا ہے کہ آپ قیامت تک آنے والے مؤمن اور کافر سب کو مع ان کے اعمال کے پہچانتے ہیں، تو اب منکرین کا وہ اشکال رفع ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ قیامت میں حوض کوثر سے روکے جائیں گے، آپ ان کے اعمال کو نہیں جانتے لہذا اس حدیث مسلم کی تاویل اور توجیہ کی جائے گی جو کہ بندہ آئندہ سطور میں ذکر کرے گا۔

مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرح فتح الملہم میں حدیث مسلم کا یہ جواب دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال تو آنحضرت ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ان اعمال کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو پہچانتے ہیں لیکن چونکہ کفار کے اعمال پیش نہیں کیے جاتے اس لئے ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، حدیث مسلم میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے، وہ چونکہ مرتدین و کافر ہیں اس لئے آپ ان کو نہیں پہچانیں گے۔ یہ جواب دوجہ سے مردود ہے۔

وجہ اول: حدیث ابن المسیب میں مؤمنوں کافروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ تمام امت و عورت کے اعمال مع عالمین کے آنحضرت ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور تفسیر عزیزی میں تو کفار اور منافقین کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ ان سب کو قیامت مع اعمال کے پہچانتے ہیں۔ تفسیر عزیزی کا وہ حصہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

(پس می شناسد گناہاں شمار اولہذا شہادت اور دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچه از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس و سلمہ و صدیق و مقول و جال یا از نعاہب و مثالب حاضران و غائبان می فرماید اعتقاد بر ان واجب است و ازین است کہ در روایات آمد کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلا نے امروز چنین میبند و فلا نے چنان امروز قیامت او اے شہادت تواند کرد)

غور فرمائیں کہ اس عبارت میں تصریح ہے کہ آپ ہر ایک کے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں۔ اخلاص مؤمنوں میں ہے اور نفاق کفار میں، نیز اس عبارت میں

تصريح ہے کہ آپ حاضر ان زمانہ مقدس اور ان کے اعمال و احوال کو ہی نہیں جانتے بلکہ جو لوگ آپ کے زمانہ سے غائب ہیں ان کے احوال و اعمال نیک و بد کو بھی پہچانتے ہیں، نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصريح فرمادی کہ اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ روایات میں آپ کا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو مع ان کے اعمال و احوال کے پہچانتا ہے، تو صاحب فتح الملہم کا یہ کہنا کہ صرف مؤمنوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں ہوتے باطل ٹھہرا۔

وجہ دوم۔ اگر تسلیم ہی کر لیا جائے کہ آپ پر صرف مؤمنوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں کیے جاتے، تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ قیامت میں مؤمنوں اور کافروں دونوں کو پہچانیں گے۔ مؤمنوں کو تو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مؤمن آپ کے سامنے مع اعمال کے پیش کیے جاتے رہے اور کافروں منافقوں کو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مع اعمال کے آپ کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے (الاشیاء تعرف باضدادھا)۔

یہ بات اگرچہ واضح ہے لیکن پھر بھی مدہ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی صبح و شام بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ اور ایک دوسرا آدمی ہے جو نہ کبھی بادشاہ کے دربار میں گیا اور نہ کبھی خدمت سرانجام دی تو اگر یہ دوسرا آدمی بادشاہ کے سامنے پہلی دفعہ پیش کیا جائے اور بادشاہ سے چوچھا جائے کہ جناب والا کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جو کہ آپ کے دربار میں آتا جاتا اور خدمت ادا کرتا ہے یا آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذکورہ بالا آدمی نہیں ہے تو بادشاہ فوراً یہ جواب دے گا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ وہ خادم شخص نہیں ہے یہ تقریر بعینہ اسی طرح کی ہے جو کہ غرہ تجلی کی وجہ سے پہچانیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت میں آنحضرت ﷺ مؤمنوں اور کافروں سب کو عرض اعمال اور غرہ تجلی کی وجہ سے پہچانیں گے، مؤمنوں کو تو اس وجہ سے کہ غرہ تجلی نور عرض اعمال ان میں پایا گیا اور کفار کو اس طرح پہچانیں گے کہ یہ اوصاف ان میں نہیں پائے گئے۔ اور علامات سے پہچاننے کا یہ ایک معروف طریقہ ہے۔

صاحب فتح الملہم نے حدیث مسلم کا ایک اور جواب بھی دیا ہے وہ یہ کہ آپ کے سامنے صرف مؤمنوں اور کافروں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ ان اعمال کو جانتے ہیں لیکن خود مؤمن کافر نہیں پیش کیے جاتے، اس لیے آپ ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، یہ جواب بھی مردود ہے کیونکہ اس میں حدیث غرہ تجلی کی صراحتاً تکذیب ہے اور حدیث سعید بن مسیب کے بھی صریحاً خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں مذکور ہے آپ جمع امت کے اعمال مع عالمین کے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

تنبیہ = حدیث مسلم شریف جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حوض کوثر سے روکا جائے گا اور آنحضرت ﷺ ان کے متعلق فرمائیں گے کہ (ہؤلاء من اصحابی) اس سے منکرین نے استدلال کیا ہے کہ نہ تمام لوگوں کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور نہ آپ سب آدمیوں کو قیامت تک جانتے ہیں، ورنہ مذکورہ بالا آدمیوں کے متعلق یہ نہ فرماتے کہ (ہؤلاء من اصحابی) اس دلیل کے یہاں تک چار صحیح جواب گزر چکے ہیں اور دو غلط جواب جن کو صاحب فتح الملہم نے ذکر کیا ہے انکو رد کیا جا چکا ہے اب حدیث مسلم شریف سے استدلال کا جواب پنجم ملاحظہ ہو۔

جواب پنجم۔ منکرین جو حدیث مسلم سے اس امر پر استدلال لاتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو قیامت کے دن حوض کوثر سے روکا جائے گا، آنحضرت ﷺ ان کو نہیں جانتے تھے اب مدہ ان سے پوچھتا ہے کہ اس حدیث شریف میں وہ کون سے الفاظ ہیں؟ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔ اس جگہ دو ہی احتمال ہیں۔

اول۔ یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک روایت میں ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ (یا رب هؤلاء من اصحابی) اور دوسری روایت میں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ (انادیہم الاہلکم) پہلی عبارت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ یہ میرے اصحاب سے ہیں اور دوسری عبارت کا یہ معنی ہے کہ میں ان کو بلاؤں گا کہ اوھر آؤ۔ اگر ان پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع ہوتے کہ وہ کافر مرتد ہیں تو کبھی آپ ان کی سفارش نہ فرماتے اور ان کو اپنی طرف نہ بلاتے، جب سفارش کی اور اپنی طرف بلایا تو معلوم ہوا کہ ان پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں۔

احتمال دوم۔ جب آپ ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور ان کو بلائیں گے تو ایک روایت میں یہ جواب دیا جائے گا۔ (هل تدري ما احدثوا بعدك) اور دوسری روایت میں یہ جواب دیا جائے گا کہ (قد بدلوا بعدك) پہلے جواب کا یہ معنی ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا چیز پیدا کی اور دوسرے جواب کا یہ معنی ہے کہ تحقیق آپ کے بعد انہوں نے دین کو تبدیل کر دیا۔

ان دونوں جوابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہیں تھا، حالانکہ یہ دونوں احتمال مردود ہیں اور ان دونوں احتمالوں سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے تھے۔

پہلے ہمدہ احتمال ثانی پر بحث کرتا ہے ایک جواب میں یہ ہے (قد بدلوا بعدك)۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے علم کا ذکر ہی نہیں، بلکہ اس میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین تبدیل کر لیا۔ یہ جملہ خبریہ ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ منکلم مخاطب کو صرف حکم کا ہی فائدہ نہیں دیتا، بلکہ جملہ خبریہ کئی اور مقاصد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، مثلاً غم اور حزن کے لئے بھی جملہ خبریہ استعمال ہوتا ہے جیسے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا (انني وضعتها أنثى) جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے لڑکی جنی ہے، یہاں علمائے بلاغت تصریح فرما رہے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کو خبر دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پہلے سے علم ہے کہ کلام کرنے والی بھی جانتی ہے کہ اس نے لڑکی جنی ہے، لہذا اس کلام کا مقصد صرف غم اور حزن کا ظاہر کرنا ہے اور کبھی جملہ خبریہ سے منکلم کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ جیسے مخاطب اس خبر کو جانتا ہے منکلم کو بھی اس خبر کا علم ہے۔ جس کی مثال علمائے بلاغت نے یہ دی ہے (قد حفظت التوراة) یعنی تو نے تورات یاد کر لی ہے، تو مخاطب اس کلام سے پہلے اس کا عالم تھا کہ اس نے تورات یاد کی ہے۔ منکلم کی غرض اس کلام سے صرف یہ ہے کہ میں بھی اس امر کو جانتا ہوں۔

منکرین کا استدلال اس عبارت سے اس وقت درست ہو گا کہ مذکورہ بالا

حکم کا افادہ مقصود ہو، یعنی پہلے آپ اس حکم کو نہیں جانتے تھے اور اب اس کلام سے حکم کا علم آیا، حالانکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس عبارت میں اظہار غم اور حزن کیا گیا ہو کہ یہ بڑی افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے اصحاب میں سے ہوتے ہوئے اپنا دین تبدیل کر لیا، اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کلام کے منکلم کی یہ فرض ہو کہ میں بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے دین کو تبدیل کر لیا، جیسے کہ آپ جانتے ہیں، تو اب منکرین کا استدلال درست نہ ہو کیونکہ یہ ایک مشہور قانون ہے کہ (إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) نیز ہمدہ نے جو دو آخری احتمال ذکر کیے ہیں ان پر عرض اعمال والی حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور یہی عرض اعمال والی حدیث احتمال اول کے خلاف ہے جس پر منکرین کے استدلال کا مدار ہے۔ احتمال اول سے ہمدہ کی مراد حکم کا افادہ ہے۔

اور دوسرے جواب میں یہ ہے (هل تدري ما احدثوا بعدك) اس عبارت میں بے شک آپ کے علم و روایت کا ذکر ہے، لیکن اس سے علم و روایت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ عبارت اسی طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے (هل انني على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا) تو جیسا قرآن پاک کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ یقیناً انسان پر ایسا وقت آیا ہے کہ وہ کوئی شے نہیں تھا۔ اسی طرح اہل تندرہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ یقیناً آپ جانتے ہیں جو چیز انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی، تو دونوں جگہ حل بمعنی قد ہے۔ اور ہمدہ کی اس تاویل پر عرض اعمال والی حدیث دلالت کرتی ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ ہیں لا تدري ما احدثوا بعدك یہاں علم اور روایت کی نفی ہے تو تمام روایات جمع کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ لا تدري میں حرف استفہام محذوف ہے۔ اور یہ تاویل ہم کو اس لیے کرنی پڑی کہ عرض اعمال والی حدیث اس کے خلاف ہے۔

یہاں تک ہمدہ نے احتمال ثانی کو رد کیا ہے کہ دونوں جوابوں سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوئی۔

اب ہمدہ پہلے احتمال پر بحث کرتا ہے یعنی ایک روایت میں آپ نے عرض کیا

(یا رب هؤلاء من اصحابی) اور دوسری روایت میں یہ فرمایا کہ (الا هلکم) تو ان دونوں عبارتوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہو تا کہ آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں تھا، اب یہ سوال ۔۔۔ سکتا ہے کہ جب آپ کو علم تھا تو پھر یہ سفارش کیوں فرمائی؟ تو اس کے علماء نے کئی جواب دیے ہیں۔

جواب اول: آپ نے جو فرمایا۔ (هؤلاء من اصحابی) تو یہ ان لوگوں کو مزید غم میں ڈالنے کے لئے فرمایا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ان کو اپنی طرف مضاف کریں گے اور فرمائیں گے کہ (هؤلاء من اصحابی) تو ان لوگوں کے دل میں نجات کی قوی امید پیدا ہو جائے گی، کہ شفیع الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری سفارش کی ہے اور ہم کو اپنی طرف مضاف کیا ہے تو جب فرشتہ جواب دے گا۔ اور آپ مسحاً مسحاً فرمائیں گے یعنی دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ تو اب ان کو جو نجات کی قوی امید تھی وہ ٹوٹ جائیگی اور ان کو شدید صدمہ پہنچے گا، کیونکہ جس چیز کی قوی امید ہو اور وہ امید منقطع ہو جائے تو شدید صدمہ ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کو اقطاع کلی سے تعبیر کیا ہے یعنی پورا ناامید کرنا، یہ جواب بھی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ کفار اور مرتدین تھے اور مؤمن نہیں تھے کیونکہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کلی طور پر ناامید نہیں کیا جاسکتا۔

جواب دوم: جب آپ ان لوگوں کو اپنے اصحاب میں شمار کریں گے اور اس کے بعد فرمائیں گے دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ، تو ان کو سخت حسرت پیدا ہوگی کہ ہم آپ کے اصحاب تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم بہشت میں بلند درجے حاصل کرتے، لیکن شیطان نے ہم کو گمراہ کیا اور ہم قہر و ذلت میں چلے گئے، یہ دونوں جواب فتح الملہم سے پتہ چلتے ہیں، چونکہ یہ دونوں جواب اہل سنت کے عقیدہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں اس لیے ہم نے یہاں ان کو ذکر کر دیا ہے اور صاحب فتح الملہم نے جو تیسرا جواب دیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ چونکہ اہل سنت کے عقیدہ سے متصادم تھا اس لیے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔

جواب سوم: باوجود علم کے کہ یہ کافر و مرتد ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے غایت رحمت کی وجہ سے ان کی سفارش فرمائیں گے، یہ جواب الکوکب الدری حاشیہ ترمذی میں محدث سہارنپوری نے دیا ہے، جو کہ

دیوبندی متب فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ فتح الملہم اور الکوکب الدری کے جواب سے ہمہ کا مقصد منکرین کو الزام دینا ہے کہ جس چیز کا ان کے محدثین اقرار کرتے ہیں وہ اس کے منکر کیوں ہیں؟

جواب چہارم: یہ جواب صاحب روح المعانی کا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:-

(انه عليه الصلوة والسلام يعلم الاعيان أيضا إلا أنه نسي)

فقال اصحابی ولتعظیم قبح ما أحد ثوا قيل له إنك لا

تدري ما أحدثوا بعدك)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے اعمال اور ذوات دونوں کو جانتے ہیں اور عرض اعمال کی وجہ سے آپ کو ان کا علم ہے، لیکن قیامت میں اس علم کی طرف سے ذرا توجہ ہٹ جائے گی، تو فرمائیں گے اصحابی اور اسی طرح آپ کو اس چیز کا علم بھی تھا جو ان کفار اور مرتدین نے آپ کے بعد پیدا کی۔ لیکن چونکہ یہ بدعت بہت بڑی فتنہ تھی، اس لئے علم کے باوجود فرمایا گیا کہ إنک لا تدري مقصد نفی علم نہیں ہے بلکہ بدعت کے عقیدہ کا اظہار ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلى الله تعالى على

خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه أجمعين۔



فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز کی لاجواب کتب

❁ شرک کی حقیقت

❁ غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف (اول) (مطبوعہ)

❁ غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف (دوم) (مطبوعہ)

❁ غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف (سوم) (مطبوعہ)

❁ غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف (چہارم) (مطبوعہ)

❁ مجموعہ تصانیف حضرت علامہ محمد اسماعیل نقشبندی علیہ الرحمۃ

❁ دیوبند کا نیا دین (مطبوعہ)

❁ سرورِ کونین ﷺ کی بشریت و نورانیت (مطبوعہ)

❁ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات (مطبوعہ)

❁ مجموعہ رسائل مفتی محمد شفیع جماعتی رحمۃ اللہ علیہ (مطبوعہ)

❁ ناشر: فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہنشاہ کی آمد

از علامہ ابوالحق محمد رمضان محقق نوری علیہ الرحمۃ

مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

شہنشاہ کی آمد

الحمد والصلوة لله رب العلمين و على رسوله رحمة للعلمين و
على اله واصحابه اجمعين. بسم الله الرحمن الرحيم واصبر نفسك
مع الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عينك
عنهم.

(ترجمہ) اور اپنی جان کو ان کے ساتھ رکھو جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں
صبح و شام۔ چاہتے ہیں اللہ کی رضا کو اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑیں نہ۔
اللہ تعالیٰ کلے کر وڑہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسا عظیم الشان رسول انعام فرمایا
جو سراپا برکت اور رحمت ہی رحمت ہے جس کی اسوۂ حسنہ ہماری مشعل راہ باعث
نجات و فلاح ہے فالحمد لله رب العلمين۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے مثل کمالات و غیر متناہی خوبیوں
سے قرآن و حدیث بلکہ سب کتب و صحائف سماویہ پر ہیں۔ سب انبیاء و رسل، حورو
ملائک، اولیاء و اقطاب، سب کے سینوں اور زبانوں، دلوں اور جانوں پر نعت و
اوصاف محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجزن ہیں آپ کی ذات و اوصاف کا ذکر و فکر
مومنین کے دل کا چین، غذائے روح ہے۔ آپ کی دید شفاۓ جان و رویت رحمان
ہے۔ مولا جامی رحمۃ اللہ علیہ حدیث من رانی فقد رای الحق کے آئینہ میں دیکھتے
ہوئے رقم طراز ہیں۔

خود گفت ہر آنکس کہ مرادید خدا دید
یعنی بود آئینہ حق روئے محمد
اور نجات الانس میں ناقل ہیں:

نسبت اليوم من عشقی صلاتی!

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اله الا الله محمد رسول الله

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله
وعلى اله واصحابك يا حبيب الله

فلا ادري غداً من عساني
فذكرك سیدی اكلی و شربی
و وجهك ان رایت شفاء دانی

انسان کمال حاصل کرنے اور صفات حسنہ سے مزین ہونے کے لیے آیا ہے اس کا کمال خوبیوں کے حاصل کرنے سے ہے مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خواہان صفات حسنہ کو بلکہ صفات حسنہ کو بھی کامل بنانے کے لیے تشریف لائے، خود ہی فرمایا 'بعثت لا تمم مكارم الاخلاق'۔ ترجمہ: میں اخلاق حسنہ (پاکیزہ خصلتوں) کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ آپ کی عبادتیں اور کھانا پینا تعلیم و تشریح امت کے لیے تھے۔

دل فرمایاں نبائی ہمہ زیور مستند
دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

مدارج النبوۃ ص ۳۲ ج ۱ میں ہے، اعمال و طاعات و عبادات ہمہ برائے مجرد تعلیم و تشریح بود بے آنکہ در نفس شریف دے آثار و انوار پیدا گردد۔ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و طاعات و عبادتیں سب صرف تعلیم و تشریح کے لیے تھیں سو اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفس شریف میں آثار و انوار ظاہر کریں۔

اور زرقانی شریف ص ۶۰ ج ۵ میں ہے۔ كان عليه السلام بشري الظاهر ملكوتي الباطن وكان عليه السلام لا ياتي الى شيء من الاحوال البشرية الا تانيها لا منه وتشرعاً لها ليقندي به لا انه محتاج الى شيء من ذلك بحينا لو تركه لا ضربه ولذا كان يواصل الصوم۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشری الظاہر اور ملکوتی الباطن تھے اور

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احوال بشریہ میں سے کسی چیز کی طرف نہیں آتے تھے مگر اپنی امت کی تائیس و تشریح کے لیے تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کی امت اقتداء کرے نہ یہ کہ آپ ان سے کسی چیز کے محتاج تھے اس طرح کہ اگر اسے چھوڑ دیں تو آپ کو ضرر دے اور اسی لیے صوم وصال رکھتے تھے۔

بخاری شریف ص ۱۷۶ ج ۲۔ (مصری) میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی صوم وصال رکھنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تواصلوا قالوا انک تواصل قال انی لست مملکم یعنی۔ تم صوم وصال نہ رکھو صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ تو رکھتے ہیں فرمایا بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ کے خاصے مبارکہ آپ کی بے مثلیت کے اظہار کے لیے تھے کہ صحابہ کرام کو 'لست مملکم' سے جواب دیا۔

مذکور الصدر آریہ کریمہ میں بھی آپ کے کمالات ذات و صفات کے پھول کھلے نظر آرہے ہیں۔ و اصبر نفسک مع الدین یدعون ربهم بالغدوة والعشی ہے آپ کی معیت مبارکہ صبح و شام اپنے رب کو پکارنے والوں کے لیے ثابت ہے اور اس میں اہل مکہ یا اہل مدینہ یا کسی زمانے کی کوئی تخصیص نہیں سب کو عام ہے کہ الذین یؤمنون بالغیب کی طرح یہاں بھی صلہ عام ہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب رب کو پکارنے والوں کے ساتھ حاضر و موجود ہیں اور ولا تعد عینک عنهم یعنی آپ کی آنکھیں ان کو چھوڑیں نہ سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں تو ثابت ہوا کہ آپ سب دنیا میں حاضر و ناظر ہیں جو متعدد آیات و احادیث سے ثابت ہے:

(۱) یا ایہا النبی انا ارسلنک شاهداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً۔

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنانا:

اس آیت کریمہ کے متعدد کلموں کے عموم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے خصوصاً کلمہ ”شاهد“ کہ اس کا معنی ہی حاضر و ناظر ہے۔

مفردات امام راغب میں ہے۔

الشہود و البشادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة۔
(ترجمہ) یعنی شہود و شہادت (مبدء شاہد) حضور مع المشاہدہ کا نام ہے بصر سے ہو یا بصیرت سے۔

اور مدارج النبوت ص ۲۶۰ ج ۱ میں ہے۔

شاہد یعنی عالم و حاضر بحال امت و تصدیق نجات و ہلاکت ایساں
(ترجمہ) یعنی شاہد سے مراد ہے امت کے حال اس کی تصدیق، تکذیب، ہلاکت، نجات کے ساتھ عالم و ناظر۔

(۲) النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔

ترجمہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم مسلمانوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

نبی کا معنی ہے غیب پر مطلع۔ زرقانی ص ۲۱۰ میں ہے۔ الذبوة ہی الاعلام علی الغیب۔

یعنی نبوت جس سے ”نبی“ مشتق ہے غیب کے جنوائے کا نام ہے تو پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنین کے بہت قریب ہیں اور رازوں پر باخبر بھی ہیں

جس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۳) لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریر علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔

ترجمہ: ضرور تشریف لائے تمہارے پاس تم میں سے ایسے بڑے رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تم پر حریر ہیں، سب مومنین پر رؤف و رحیم ہیں۔

اس آیت کریمہ سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاضر و ناظر ہونا واضح ہو رہا ہے کہ فرمایا گیا تمہارے پاس تشریف لائے حالانکہ مخاطب زمین میں پھیلے ہوئے ہیں پھر فرمایا تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر گراں ہے یہ اسی لیے کہ آپ مصیبت زدوں کے شاہد ہیں پھر مومنین کے ساتھ بخشش و رحمت فرمانا بھی شاہد ہی کا کام ہے۔ پھر لکھنوی نے فرمایا یا مومنین فرمایا اور با میں اصل الصاق ہے (ملانا) جس سے آپ کا قرب اور بھی واضح ہو رہا ہے۔

(۴) تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیكون للعلمین نذیراً۔
ترجمہ: برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے خاص عبد پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو، اور فرمایا۔

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین۔

ترجمہ: اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔

سب جہان کو ڈر سنانا اور رحمت ہونا شاہد ہی کا کام ہے
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں۔

بداں کہ دے علیہ السلام سے ہندوے شنود کلام ترازی را کہ دے علیہ السلام متصف است بصفات الہی و یکے از صفات الہی آست کہ انا جلیس من ذکر نبی

(ترجمہ) جان کہ حضور علیہ السلام دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہیہ سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح شفاء ص ۱۱۷ میں فرماتے ہیں۔

”لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اہل الاسلام۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر

ہے۔

پھر موصول میں شرط یہ ہے کہ مخاطب کو صلہ کا علم ہو، مختصر معانی میں ہے۔

”الموصول فانه لیست شرط تقدم العلم بالصلة۔

بیضاوی شریف میں التی وقودھا الناس والحجارة کے تحت لکھا ہے۔

فانہا یجب ان یکون قصۃ معلومۃ۔

(ترجمہ) تو بے شک صلہ واجب ہے کہ مخاطب کو اس کا علم ہو،

یہاں صلہ میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک بدعون ربہم بالغدوۃ والعشی

جو ظاہر کی چیز ہے اور دوسری سرمدون وجہہ جو باطن اور دل کے ساتھ متعلق ہے

جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم روف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے

والوں کے ظاہر کو بھی جانتے ہیں باطن کو بھی۔ اور یہ بھی متعدد آیات واحادیث سے

ثابت ہے،

علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً،

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل

ہے۔

اس آیت سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو تمام علوم ظاہر و باطن کے عطا فرما دیے ہیں،

ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شیء۔

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور فرمایا۔

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔

ترجمہ: رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا،

ماکان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا،

تفسیر خازن وغیرہ میں ہے انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور

”بیان“ سے مراد تمام ماکان و ما یکون کا علم ہے یعنی ہم نے انہیں سارے غیبی علوم

بخشے،

سبحان اللہ! جب پڑھانے والا خدا اور پڑھنے والے..... محبوب خدا صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم جو کتاب پڑھی وہ قرآن، جس میں ہر چیز کا بیان ہے تو اب علم مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نقص کا گمان کیسے؟

پھر یہاں فرمایا اپنے نفس (جان) کو عبادت کرنے والوں کے ساتھ رکھے اور

آگے فرمایا۔

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا۔

یعنی ان کا کہنا نہ مانو جس کا قلب ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے

اور یہ حکم اسے ہی ہو سکتے ہیں جو سب کے دلوں پر نظر رکھتے ہوں اور امتیاز کر

سکتے ہوں کہ تکلیف مالا یطاق محال ہے۔ الحاصل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے کمالات ذات وصفات کی نظیر و مثال دائرہ امکان سے ہی باہر ہے۔

وہم باطل ہے کہ ممکن ہو مثال محبوب

آپ کی مبارک آمد مومنین کے لیے یقیناً اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور فضل و

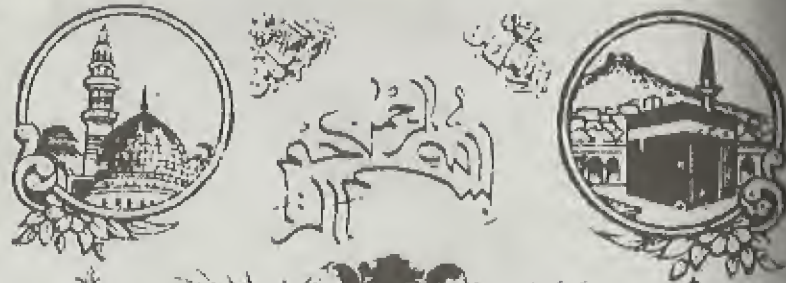
رحمت ہے جس کی خوشیاں ایمان مومن کا تقاضا ہے اور آیات قرآنیہ میں اس شہنشاہ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک میلاد و آؤ کا مختلف انداز کے ساتھ جا بجا تذکرہ ہے۔

فرمایا۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔

ترجمہ: بے شک تمہاری طرف اللہ کی طرف سے ایک نور (محمد ﷺ) آیا اور روشن کتاب

کہیں فرمایا لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلو علیہم آیاتہ و یزکیہم۔

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔
نوٹ:- یہ رسالہ مکمل طور پر دستیاب نہ ہو سکا۔ جتنا ملا اتنا ہی پیش کر دیا ہے۔



چند اہم سوالوں

کے
جوابات

محمد بخش ظہر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَاصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

انتساب

اُن خوشگوار یادوں

اور

امحدود محبتوں کے نام

جو

مذہب مہذب و ابستہ ہیں

محمد خدای بخشِ اظہر

علماء دیوبند حضرت کے



خلاصہ سوال ۱۰، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے؟
 خلاصہ سوال ۱۱، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا کتب عقائد سے کہاں ثابت ہے؟
 خلاصہ سوال ۱۲، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے سے قبل بھی حاضر و ناظر تھے یا نہیں؟
 خلاصہ سوال ۱۳، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے حاضر و ناظر ہیں یا جسمانیہ سے؟
 خلاصہ سوال ۱۴، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ہونے کا رتبہ کب ہے؟
 خلاصہ سوال ۱۵، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟
 خلاصہ سوال ۱۶، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو پھر آپ جسم کی خوشبو کیوں نہیں آتی؟
 خلاصہ سوال ۱۷، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو بلند آواز سے تم کیوں بولتے ہو؟
 خلاصہ سوال ۱۸، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانیں تو معراج جسمانی کا انکار ہو جائے؟
 خلاصہ سوال ۱۹، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو قبر میں عذاب کیوں ہوتا ہے؟
 خلاصہ سوال ۲۰، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو پھر عیض ہوتے، دریہ صفت خدا کی ہے۔

نذرانہ عقیدت

بخدمت اقدس

سیدی و سندی غزالی زمان، رازی دوراں استادیم

علامہ سید محمد سعید شاہ صاحب کاظمی

مدظلہ العالی

ع

مگر قبول افت زہے عز و شرف



خاکستہ علماء و اولیاء

محمد خدا بخش اظہر غفرلہ

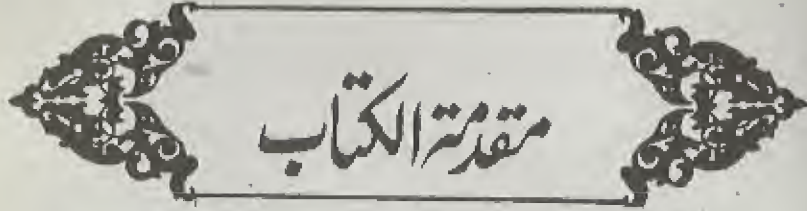


مسلمان بھائیو!

انبیاء علیہم السلام صحابہ و اہل بیت کرام علماء
اولیاء عظام صراطِ مستقیم مذہبِ مہذب
اسلام کے روشن بینار ہیں۔ مسلمان بھائیوں
کو ان ہی حضرات کے عقائد اور اعمال کی پیروی فرمادی
ہے۔ یہی حکم خداوندی ہے اور فرمانِ مصطفوی صلی اللہ
علیہ وسلم ہے۔ یعنی نیک عقائد اور نیک اعمال دین ہے

اور تمام دین کی جان

ادب و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور
بے ادبی کفر ہے



آیتِ کریمہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا

ترجمہ:- اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی بے شک ہم نے بھیجا
تمہیں حاضر و ناظر

در نظرِ بودش مقاماتِ العباد
زین سبب نامش خدا شاہد نہاد

(مولانا روم)

ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ طالبِ علمی کے
زمانہ میں جب میں نے شجاع آباد میں مذہبِ مہذب اہل سنت
کا کام شروع کیا تو کوئی مسجد بھی اہلسنت کے پاس نہیں
تھی۔ ایک صاحب ملک گل بنامی کامکان کراچی پر لیا اور خدا و رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے بھروسہ پر دین کا پرچار شروع کیا تو ہمارے کچھ بھائیوں
کو ناگوار گزرا۔ خصوصاً قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کو۔ جو بہت
بڑے ذی اثر آدمی تھے۔ تمام شہر کے معززین کو جناب قاضی صاحب
نے جمع کیا اور پتہ نہیں کیا کہا؟

صبح کو شیخ عبدالرحیم صاحب دہلوی صدر سٹی مسلم لیگ شجاع آباد
تمام معززین شہر کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے اور نہایت غصہ کے ساتھ
فرمایا:- آپ کل دیوبندی اور بریلوی کافر قریب کر کے ہمیں دیں ورنہ

پرسوں میں تمہیں جیل بھجوا دوں گا۔

شیخ عبدالرحیم صاحب کے فرمان پر میں نے یہ فرق تحریر کر کے دیوبندی اور بریلوی حضرات کی کتابوں کے حوالے سے بلکہ چھپوا کے پیش کیا۔ البتہ برکتاً کتابچہ کے مبرورق پر قرآن پاک کی آیت کریمہ اَنَا ارْسُلْنٰكَ شَٰهِدًا لِّكَ دِی۔ اور شاہد کا ترجمہ حاضر دناظر کیا۔ جب علماء کرام دیوبندی حضرات نے وہ کتابچہ دیکھا تو اس کا جواب تو نہ دیا۔ پرمسند حاضر دناظر پر ایک کتابچہ ”فیصلہ کن گذارشات“ کے نام سے شائع کر دیا اور اس میں حاضر دناظر پر چند اہم سوالات لکھ دیئے۔ جس پر فقیر نے یہ کتابچہ تحریر کیا۔ اُن سوالات کے نمبر وار جواب دیئے اور پھر گیارہ سوال کئے جن کا آج تک علماء دیوبند حضرات نے جواب نہیں دیا۔

اس کتابچہ میں اُن حضرات کے سوالات کے جوابات بھی غور سے پڑھیں اور میرے سوالات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اگر یہ بات طے ہو جائے تو ہمارا اپنے بھائیوں سے کوئی اختلاف بھی نہیں۔

ہمارا اختلاف صرف اور صرف اسی ادب و بے ادبی کے مسئلہ میں ہے۔ جو علماء دیوبند نے اپنی معتبر کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں حوالہ جات دیکھنے کے واسطے میرا کتابچہ ”دیوبندی اور بریلوی میں فرق“ ملاحظہ کریں۔

میں نے اس میں کتابوں کے نام صفحہ سطر مطبع وغیرہ سب کچھ لکھ دیا ہے۔



ہمارا مذہب مہذب اسلام اتحاد و اتفاق کا سبق دیتا ہے۔

اس وقت تو تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس کی اس قدر ضرورت ہے لہذا۔ میں تمام شیعہ سنی دیوبندی بریلوی بھائیوں کو اتحاد کی دعوت دیتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ مسائل میں اختلاف کرو پر ادب و عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو جان دین ہے سب کے سب اس مسئلہ پر اتفاق کر لو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، اہل بیت عظام اویسائے پاک، بنو گان دین اور ماں باپ کا ادب فرض میں ہے

مسلمان تو مسلمان

کوئی مذہب بھی ایسا نہیں

جو بے ادبی کا ہر کا قائل ہو۔ پھر مسلمان حضرات کیوں اپنی کتابوں میں ایسے الفاظ تحریر کریں۔ جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی پر مشتمل ہوں۔

کیوں کہ

اصل ایمان احترام مصطفیٰ



مسلمان بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر پر سوالات کے جوابات سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجود پاک مانتے ہیں۔

ایک اول جو نورانی ہے۔ دوسرا آخر جو

بشری اور جسمانی ہے۔ پر بشری سے مراد بھی عام لوگوں جیسا نہیں بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بشری بھی بشریت کے ہر نقص اور عیب سے پاک اور انتہائی لطیف و نطفیف اور نہایت پاکیزہ ہے جس کا تصور بھی کوئی بشر نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اول بے شمار آیات قرآن پاک اور احادیث سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات پاک اور احادیث پاک پیش کرتا ہوں۔

آپ غور سے ملاحظہ فرمائیں وہ آیات یہ ہیں:-

آیت ۱۔ اَنَا اَوَّلُ الْمَسِيحِينَ۔ آیت ۲۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ

آیت ۳۔ مِصْرًا بَاطِنًا مِّنْ نَّارِهِ وَغَيْرِهِ سے وجود اول نورانی مراد ہے۔ نہ بشری۔ اور جسمانی

حدیث ۱۔

عن ابی ہریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة

قال وادم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳) کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لئے نبوت کب متحقق ہوئی، فرمایا در الخالیکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حدیث ۲۔

جَعَلْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّينَ خَلْقًا وَآخِرَهُمْ بَعَثًا (توراة شریف)

ترجمہ:- میں مکتوب نقالے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اصل خلقت میں اول انبیاء بنایا اور دنیاوی بعثت میں آخر انبیاء۔

ان پاک آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجود پاک ہیں۔ ایک اول خلقت میں دوسرا دنیاوی بعثت میں۔

اب میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اول وجود پاک نورانی ہے۔ دیکھئے ابن عساکر کی روایت ہے:-

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق

اللہ عز وجل آدم علیہ السلام اخبر ببنيہ فجعل یرى

فضائل بعضهم علی بعض فراد نورًا ساطعًا فی اسفلهم

قال یارب من هذا قال هذا ابنک احدھو الاول هو الآخر

وهو الاول شافع واول مشفع رواہ ابن عساکر کذا فی الکنز

(ختم النبوة فی الحديث ص ۳)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ عز و جل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد پر مطلع کیا تو آدم علیہ السلام نے ان کے بعض کے فضائل کو بعض پر ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے ایک چمکتا ہوا نور ان کی غلی جانب دیکھا عرض کیا اے رب تعالیٰ یہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے بیٹے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہی اول ہیں اور یہی آخر ہیں یہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور یہی سب سے پہلے شفاعت قبول کئے ہوئے ہیں۔ اس حدیث پاک میں نور کا ساطعہ کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اول نورانی کے نور میں ہونے کی چمکتی ہوئی دلیل ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا دلائل شرعیہ موجود ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی جلد ۵ صفحہ ۴۵۵ میں فرماتے ہیں
والدایع ان المذککۃ امور بالاسجود لآدم لاجل ان نور محمد
علیہ السلام کان فی جہۃ آدم

ترجمہ :- چوتھی بات یہ ہے کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم اس واسطے دیا گیا تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ اسی طرح بے شمار محدثین مفسرین نے تحریر فرمایا ہے۔ چند حوالے بطور مثال پیش کئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجود پاک ہیں۔ ایک نورانی اول اور دوسرا روحانی بشری آخری۔ اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نشر الطیب ص ۱۶ پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں حضرت جابر والی حدیث حاشیہ پر لکھی کہ۔

یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیہ عن نورہ

یعنی اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے

نور سے پیدا کیا۔

عربین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اول نوری ہے۔ اور وجود دوسرا بشری اور جسمانی ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود نورانی اور وجود بشری جسمانی کے کمالات اور احکام الگ الگ ہیں۔ ایک کافیکس دوسرے پر کرنا ممکن ہی اور جہالت ہے۔

ہم قرآن کریم سے ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس کو ذہن نشین کرنے کے بعد ہمارے بیان کو سمجھنے میں معزز قارئین ذرا براہِ دشواری محسوس نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ

ترجمہ :- یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :-

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

ترجمہ :- یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔

اس آیت پاک میں حضرت ابی بن کعب ابن عباس معاذیہ مجاہد عکرمہ عبد اللہ ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم جمعین سے دھوا ب لہم کی قراۃ منقول ہے ملاحظہ فرمائیے :-

ع۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۶۸ مطبوعہ مصر،

۲۔ تفسیر مدارک التنزیل مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۳۵ ،
 ۳۔ تفسیر ابن جریر پارہ ۲۱ ص ۲۱ مطبوعہ مصر ، ۴۔ تفسیر کبیر جلد ۲ مطبوعہ مصر
 ۵۔ تفسیر ابوسعود جلد ۲ ص ۶۶ مطبوعہ مصر ، ۶۔ تفسیر روح المعانی پارہ ۲ ص ۱۹
 ۱۳۶ مطبوعہ مصر ، ۷۔ تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ۱۹۱
 ۸۔ تفسیر مظہری پارہ ۲ ص ۳۸ مطبوعہ دہلی ، ۹۔ تفسیر بیضاوی پارہ ۲
 ۱۰۔ تفسیر روح البیان جلد ۱ ص ۱۳۹ تا ۱۴۰
 ۱۱۔ تفسیر اسرار الفاتحہ ص ۵۵ ، ان گیارہ معتبر تفاسیر میں مفسرین نے یہ
 معنی کئے ہیں ۔

آیت مذکورہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ایمان والوں کے
 باپ ہیں ۔ اب جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی وجود ازل کا منکر
 ہے وہ دونوں آیات پاک کو آپس میں متضاد قرار دے گا ۔ لیکن صحیح العقیدہ
 مومن مسلمان قرآن پاک میں اور شریعت پاک میں تضاد اور اختلاف پیدا کرنے
 کی بجائے یہی کہے گا کہ قرآن و حدیث بالکل صادق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کا باپ نہ ہونا جسمانی وصف ہے اور باپ ہونا نورانی اور روحانی کمال
 ہے ۔ یعنی ابوبیت کی نفی جسمانی اور بشری ابوبیت کی ہے ۔ اور اثبات نورانی
 اور روحانی ابوبیت کا ہے تضاد کوئی نہیں ۔

پس ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرناظر ہونا جسمانی
 اور بشری وصف نہیں ۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اول نورانی ۔ اور
 روحانی کمال ہے ۔ دیوبندی حضرات لوگوں کو مغالطے دیتے ہیں ۔ اور
 جسمانی اور بشری وصف جان کر غلط اور بے بنیاد سوالات کی بھرمار کردی

اس مختصر تمہید کے بعد ہم نمبر دار تمام اعتراضات کے جوابات
 دیتے ہیں ۔ ناظرین کرام غور سے پڑھیں اور انصاف کریں ۔

اعتراضات اور جوابات

اعتراض ۱۔ کا خلاصہ یہ ہے کہ شاید ا کے معنی میں حاضر ناظر کا لفظ
 اس مفسر نے کوئی تفسیر میں لکھا ہے اور قرآن و حدیث میں کہاں سے حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر ناظر ہونا ثابت ہے ۔ ؟

جواب اعتراض ۱۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لفظ حاضر ناظر تو ایک نیا محاورہ ہے
 اور جدید عنوان ہے ۔ یاد رکھئے کسی لفظ اور عنوان کے لئے ضروری نہیں کہ
 وہ بعینہ نصوص شرعیہ میں وارد ہو ۔ البتہ اس کے معنی کا دلائل شرعیہ
 سے ثابت ہو جانا اس کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو جاتا ہے ورنہ میں
 علماء دیوبند حضرات سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے
 میں تو کسی کو اختلاف نہیں پھر آپ ہی بتائیں کہ لفظ حاضر ناظر اللہ تعالیٰ
 کے لئے قرآن و حدیث میں کہاں ہے ؟ بالکل نہیں ۔

۱۔ یہ کہا جائے گا کہ لفظ حاضر ناظر تو نہیں پر اس کے مجازی معنی

سمیع بصیر علیم وغیرہ قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ لہذا خدا تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قرآن وحدیث میں شائد سمیع بصیر موجود ہے لہذا ثابت ہوا کہ لفظ حاضر و ناظر بعینہ تو دلائل شرعیہ میں نہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ پراس کے جو معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں وہ قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور اسی لفظ حاضر و ناظر کے جو معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق قرآن وحدیث میں بے شمار جگہ موجود ہیں۔

مثلاً یہی لفظ شاہداً قرآن پاک میں حضور کی شان میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیں مفسرین کے اقوال لغت قرآن پاک کی مشہور کتاب مفردات امام اصفہانی ص ۲۶۹ الشہادۃ والشہود المحصور مع المشاہدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ۔

شہادت اور شہود کے معنی ہیں ظاہری یا باطنی نظر کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونا اور یہی ناظر کا مفہوم ہے۔

اسی طرح تمام معتبر مفسرین نے تفسیر ابو سعود جلد ۱ ص ۶۹۰ مطبوعہ مصر۔ تفسیر جمل جلد ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ مصر، تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ ص ۲۳۵۔ تفسیر بینا ص ۱۹۷ جلد ۲ ص ۱۹۷۔ تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۲۲۔ سب مفسرین نے شاہداً کا مفہوم حاضر و ناظر شہادت اور شہود کے ترجمہ میں لفظ المحصور لکھا ہے جس کے معنی میں ظاہری یا باطنی نظر سے دیکھنا تو قرآن وحدیث اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ وجود اول نورانی اور روحانی

سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

یہ تو صرف اور صرف ایک آیت مبارکہ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا کی تحقیق اور تفسیر کی وضاحت کی ہے۔ اس قسم کی بے شمار آیات احادیث اور دلائل شرعیہ موجود ہیں۔ دیانت دار کے واسطے اتنا ہی کافی ہے۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اسی طرح ماننے کی توفیق دے جس طرح اس نے اپنے حبیب کو شان عطا فرمائی ہے۔

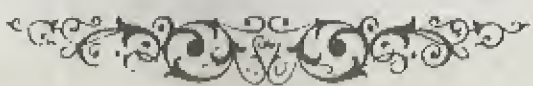
(آمین ثم آمین)

اعتراض ۲ کا خلاصہ ہے کہ کتب عقائد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کریں۔

اس کا جواب یہ ہے

مفردات امام راغب اصفہانی اور تمام معتبر تفاسیر میں مفسرین نے جو شاہداً کے ترجمہ میں حاضر و ناظر مراد لئے ہیں۔

کیا علم ہے کرام دیوبند حضرات کے نزدیک یہ تمام مفسرین علیہ الرحمۃ کتب عقائد کے خلاف ہیں ہرگز نہیں یہ تمام مفسرین کرام اہل سنت ہیں اور ان کے اقوال کتب عقائد کے بالکل مطابق ہیں۔





کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانیت کے ساتھ حاضر و ناظر ہونا قرآن پاک کی آیات کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ جسم مثالی سے حاضر و ناظر ہیں اور آپ کے خیال میں جو آیات ہیں وہ جسم عنصری بشریت کے اعتبار سے ہیں۔ روحانیت اور جسم مثالی کے اعتبار سے ہرگز نہیں دیکھتے علامہ امام احمد صاوسی مالکی علیہ الرحمۃ آپ کی پیش کردہ آیت کے ماتحت تفسیر صاوسی جلد ۳ ص ۱۸۲ مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں:-

وما كنت بمحاذي الطور اذ نادىنا هذا بالنظر

للعالم الجسماني لا قامة الحجة على الخصم واما بالنظر

للعالم الروحاني فهو حاضري كل رسول وما وقع له

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ارسال رسل اور ان کے زمانہ رسالت کے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے۔ اور اگر عالم نورانی اور روحانی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضور پاک آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر اپنے جسم شریف کے ظاہر ہونے کے زمانہ تک ہر رسول کی رسالت اور ان کے تمام زمانوں کے تمام واقعات پر حاضر و ناظر ہیں۔ لیکن

ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نورانی اور روحانی کمالات کے قابل بننے مؤمن ہیں



اعتراض نمبر ۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ہونے کا رتبہ کب ملا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

جسم ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کا معنی حضور کا حاضر و ناظر ہونا ہے۔ اس لئے جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شاہد بنایا اسی وقت سے یہ کمال حاضر و ناظر ہونے کا بھی عطا فرمایا۔ اب کسی کے چلنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو نورانی اور روحانی وجود سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ کیونکہ

وہ رحمة للعالمین ہیں۔ وہ اولی بالمؤمنین ہیں۔



اعتراض نمبر ۵ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی وجود سے حاضر و ناظر ہیں تو آپ کا جسم شریف نظر کیوں نہیں آتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

جسمانی وجود شریف تو تب نظر آئے جب بشریت مظہرہ کے ساتھ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تھیں۔ ہم تو جسم مثالی مانتے ہیں اور وہ اس قدر لطیف و نسیف ہے کہ بشری نگاہ محسوس نہیں کر سکتی "او تَنبِیْکَ اللّٰہُ تَوَالٰی اِنِّیْ جَبِیْبٌ کَاجَہَالٍ دَکَّہَا کہ اَمْسُ بَشَرٌ کہ اَکْرَامُ کَا اَرَادَہُ نہ فرماتے اس لئے جسم اقدس کے نظر نہ آنے پر حدیث کا مطالبہ کرنا لغو اور بے معنی ہے۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں ایسی ہیں کہ وہ موجود ضرور ہیں پر نظر نہیں آتیں۔ خود ہماری روح جسم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے پر نظر نہیں آتی۔ پھول پھل عطر وغیرہ کی خوشبو موجود ہے پر نظر نہیں آتی۔ اپنی لطافت اور نظافت کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا کی ہر لطیف اور نسیف چیز سے بہت زیادہ لطیف اور نسیف ہیں۔



اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو آپ کے جسم اقدس کی خوشبو کیوں نہیں آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

خوشبو کا مہکنا بشریت مظہرہ اور جسم اقدس کی صفت ہے اور حضور علیہ السلام کا موجود ہونا ہر جگہ فورانیت اور روحانیت سے ہے۔

اس لئے خوشبو کے محسوس نہ ہونے پر اعتراض کرنا حماقت اور جہالت ہے۔ اعتراض وہ کر دو جو بنتا ہو۔



اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہیں تو بلند آواز سے کیوں بولتے ہو یہ تو بے ادبی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہر جگہ اور ہر وقت اونچی آواز سے بچنا طاقت بشری سے باہر ہے اور جو چیز طاقت بشری سے باہر ہو آدمی اس کا مکلف نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعًا"

دیکھئے بخاری شریف، مسلم شریف، متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَابَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" کے نازل ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ جب ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا:-

میری آواز اونچی ہے اس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے اور میں اہل نار سے ہو جاؤں تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ وہ ثابت بن قیس اہل نار سے

نہیں بلکہ اہل جنت سے ہے۔ ثابت ہوا کہ جب بحالت مجبوری حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں حضور علیہ السلام کے سامنے اونچا بولنا گناہ کا موجب نہ تھا تو اب کیسے ہو سکتا ہے اور بولنا بھی وہ گناہ کا موجب ہے جو بے ادبی کے لہجہ میں ہو۔



اعتراض نمبر ۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ موجود ہونا محیط کا کام ہے۔ کیا حضور بھی محیط ہیں یہ صفت خدا کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

محیط کو مطلقاً جو کسے ساتھ مقید کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان کی قید و ثابیت کرنا دیوبندی حضرات کا شیوہ ہے۔ صر
ایں کاراز تو آید و مرداں چنیں کنند

دیوبندی حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا محیط ہے جو دمان اور مکان جگہ اور جہت کی قید سے پاک اور محیط الکل ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی فرد کسی قسم کا احاطہ کی صفت سے متصف نہیں ہے۔ دیکھو زمین و آسمان، سرکش و کرسی اپنے مابین کو محیط ہیں۔ زمانہ و مانیات کو محیط ہے، مکان مکانیات کو محیط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمقتضائے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

کائنات کو محیط ہیں اور خدا تعالیٰ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی محیط ہے۔ مگر دیوبندی حضرات پر حیرت ہے کہ ہر محیط کو محیط الکل سمجھ لیا ہے۔
مگر بریں عقل و دانش بسا ید گرسیت



کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانا جائے۔ تو معراج جسمانی کا انکار ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا جسم مثالی روحانیت اور لواہیت کے ساتھ ہے اور معراج شریف جسمانی ہے۔



اعتراض ۱۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا مسئلہ حضور کی ہجرت پاک کے بھی خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے

کہ :- ہجرت چہماتی ہے اور حاضر و ناظر ہونا روحانی ہے ۔ لہذا دونوں میں منافات نہیں ۔ معترض حضرات غور فرمائیں ۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو یقیناً میلاد شریف میں کیوں کہتے ہو کہ اٹھو حضور آگئے ہیں ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ کا یہ کہنا بالکل افتراء ہے ہم بالکل نہیں کہتے کہ اٹھو حضور آگئے ہیں ہم تو کہیں جانے کے قابل ہی نہیں حاضر و ناظر مانتے ہیں ۔ ہمارا قیام تو ذکر و ولادت با سعادت کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے ۔ ہاں تمام علمائے دیوبند حضرات کے پیرومرشد حضرت حاجی املا اللہ مہاجر مکی شہناہم امدادیہ ص ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محفل میلاد میں تشریف آوری فرماتے ہیں ۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ حاضر و ناظر عربی لفظ ہے کسی حدیث یا قرآن پاک

کی آیت میں دکھائیں ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بے شک حاضر و ناظر عربی لفظ ہیں ان معنی کا ثبوت تو قرآن و حدیث سے ہم ثابت کر چکے ہیں ۔ اگر آپ الفاظ کی ضد پر اڑے ہوئے ہیں تو ذرا ہمت کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن و حدیث میں کہیں دکھائیں



کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جہاں انسان ہو اُسے قبر کہتے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قبر میں اپنی قبر شریف چھوڑ کر جانا نہایت بے ادبی ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نے کب کہا ہے کہ حضور اپنی قبر شریف چھوڑ کر ہر قبر میں جاتے ہیں ۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جسم بشری ہر وقت اپنی قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جسم مثال اور روحانی لوزانی سے ہر قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں ۔ اس پر اعتراض حماقت ہے ۔



اعتراض نمبر ۱۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے ایک خادم مسجد کی قبر پوچھی
اگر آپ ہر قبر میں جاتے ہیں تو پوچھنا بے معنی تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ اعتراض بھی ایک مضحکہ خیز ہے خادم مسجد کی قبر دریافت فرمانا
نہ لا علمی ہے نہ حاضر و ناظر کے خلاف بلکہ ایک غلام کی قبر دریافت فرما کر
مسلمان کی موت کے اعلان کو مسنون فرمایا اور خادم مسجد کی عزت افزائی کی
جسے صحابہ کرام نے معمولی آدمی سمجھ کر دفن کر دیا تھا۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا کہ میں ہر قبر میں جاتا
ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ "أَتَى الْعَبْدَ إِذَا وَضَعَ
فِي قَبْرِهِ" اور اس کے بعد مَا كُنْتُ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ —
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ ہیں۔ اس کے باوجود علماء دیوبند
کا مطالبہ حیرت انگیز نہیں تو اور کیا ہے!

فِيَا الْعَجَبُ!



میرے کتابچہ دیوبندی اور بریلوی میں فرق پر برکتا سرورق پر
قرآن پاک کی جو آیتہ کریمہ "إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا" لکھی ہوئی تھی اور۔
شاہد کا ترجمہ میں نے حاضر و ناظر کیا تھا۔ علمائے دیوبند نے
بجائے سوالات کے جوابات دینے کے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر سوالات
کی بجائے دیے۔ الحمد لله

علمائے دیوبند کے تمام سوالات کے میں نے بالترتیب نمبر وار
جوابات دے دیئے ہیں۔

اب میرے

چند سوال ہیں علمائے دیوبند حضرات بھی میری طرح بالترتیب
نمبر وار جواب عنایت فرما کر ممنون کریں۔ تاکہ مغالطہ دور ہو۔ اور
بل کہ دین مبین کی خدمت کی جاسکے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے
یعنی اتحاد۔ اتحاد۔ اتحاد۔ کیونکہ مجھے اور میرے
اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام کو علماء دیوبند یا کسی اور صاحب سے
صرف اور صرف اسی مسئلہ یعنی ادب اور بے ادبی کے مسئلہ پر
اصولی اور سب سے بڑا اختلاف ہے۔



تمام علمائے دیوبند حضرات سے



کہ میرے مندرجہ ذیل
سوالات کے جوابات ضرور شائع

کریں

تا کہ

اتحاد قائم ہو سکے جس کی اشد ضرورت ہے

میرے سوالات یہ ہیں :-

سوال ۱۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار کرے اور یہ کہے کہ :-
ہندوؤں کے کام کا علم اللہ کو نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کرنے کے
بعد معلوم ہوتا ہے ۔ پھر قرآن کریم اور احادیث کو اسی مذہب پر منطبق
مانے وہ مومن ہے یا کافر ۔ ؟

سوال ۲۔ کیا علمائے دیوبند کے نزدیک فرشتوں اور رسولوں کو طاغوت
کہنا جائز ہے ۔ اگر نہیں تو کہنے والا کیا ہے مومن یا کافر ؟

سوال ۳۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ دجال کی حیات کا زائل ہونا محال
ہے اور وہ متصف بحیات بالذات ہے اس حیات کا اس سے
منفک اور مجزا نہیں ہو سکتی ایسا عقیدہ رکھنے والا آپ کے نزدیک
حق پر ہے یا باطل پر ۔

سوال ۴۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ ہر مخلوق بڑا بویا چھوٹا وہ خدا کی شان
کے آگے چار سے زیادہ ذلیل ہے آپ کے نزدیک کافر ہے یا مومن ؟

سوال ۵۔ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے سب انبیاء اور اولیاء
ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں کافر ہے یا مومن ؟

سوال ۶۔ جو شخص یہ کہتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیعیع ماننا
شُرک ہے وہ آپ کے نزدیک کیا ہے ؟

سوال ۷۔ جو شخص یہ کہتا ہو کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی حسینہ کا
مختار نہیں آپ کے نزدیک کیا ہے ۔ ؟

سوال ۸۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ شیطان کو تو ساری زمین کا علم ہے پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا علم نہیں۔ آپ کے نزدیک مومن ہے یا کافر؟

سوال ۹ جو شخص یہ کہے کہ نماز میں بیل گدھے کے خیال سے رسالت مآب ص کا خیال زیادہ بڑا ہے۔ آپ کے نزدیک یہ

عقیدہ کیسا ہے؟

سوال ۱۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کہنے والوں کو غوام اور جاہل کہنے والا آپ کے نزدیک کیا ہے؟

سوال ۱۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو حیوانات کے علم سے تشبیہ دینا کیا ہے؟ اور دینے والا کون ہے؟

حضرات!

سب دست صرف گیارہ سوال پیش خدمت

ہیں۔ سوچ سمجھ کر تحریری جواب عنایت

فرمائیں تاکہ اختلاف ختم ہو۔



واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم (البقرہ ۲۱۳)

مسلمانوں کو پڑھو اہل و عیال و احباب کو پڑھاؤ اور حق و باطل میں تمیز کرو
ایک مذہب اہل سنت کے سوا جملہ مذاہب باطل و مردود ہیں

اصلاح تفریح الایمان

(حصہ اول)

مصنفہ

عالیجناب مولانا الحاج صوفی شاہ عزیز احمد صاحب رضوی بریلوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَى آلِكَ وَصَحْبِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ - آمِينَ

اصلاح تقوية الايمان

کے پڑھتے وقت اس کا خاص طور سے خیال رکھیے کہ باریک قلم سے جو عبارت لکھی ہے۔ وہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی ہے۔ اور چلی قلم سے جو درمیان میں (بریکٹ) کے اندر جملے یا عبارت یا الفاظ لکھے ہیں وہ بطور اصلاح بڑھائے گئے ہیں۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ جو ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے اور جس نے سچے دل سے کلمہ پڑھا ہے اور قرآن و حدیث پر دل سے یقین رکھتا ہے۔ اس کیلئے یہ کتاب ہدایت کا آفتاب ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں ہونا ضروری ہے خود پڑھیے گھر والوں کو سنائیے اور بچوں کو پڑھائیے، دوست احباب میں اشاعت کیجئے۔

والسلام

پہلا سبق

صبح کا سہانا وقت ہے، استاد شفیق مدرسہ میں تشریف فرما ہیں، شاگرد ادب سے سامنے حاضر ہیں۔ سبق شروع ہونے والا ہے کہ ایک شاگرد عرض کرتا ہے۔

شاگرد : حضور غلام دنگیر ہمارے ہم سبق ہیں معلوم نہیں آج کیوں دیر لگائی چند منٹ ان کا انتظار کر لیا جائے۔

دوسرا شاگرد : لیجئے حضور وہ آگئے۔ سب نے دیکھا کہ ایک کتاب ہاتھ میں ہے چہرے پر ادا سی چھائی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑی فکر پریشانی میں مبتلا ہیں۔

نو وارد : السلام علیکم

جواب : وعلیکم السلام

استاد : کیوں غلام دنگیر آج دیر کیوں لگائی، خیر تو ہے کس فکر میں ہو، اور یہ کتاب کونسی ہے۔

شاگرد : حضور یہ کتاب کل ایک ڈاکیہ مکان پر دے گیا تھا۔ کسی نے پارسل کے ذریعے میرے نام بھیجی ہے۔ جب میں مدرسہ سے واپس مکان پر پہنچا تو میرے والد صاحب نے یہ کتاب دیتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے کہیں سے کوئی کتاب منگائی تھی؟ میں نے کتاب لیتے ہوئے عرض کی نہیں۔ کون دے گیا؟ فرمایا چٹھی دینے والا دے گیا ہے، مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کتاب جو کم از کم ڈیڑھ روپیہ قیمت کی ہوگی، مفت اور بغیر قیمت کے کس نے بھیج دی؟

کھول کر پڑھنا شروع کیا جوں جوں اس کتاب کو پڑھتا جاتا پریشانی اور حیرت بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ ساری رات اسی کتاب کے پڑھنے میں کئی، نیند نہ آئی۔ اس کے پڑھنے سے میرا عقیدہ اور ایمان مرکز سے ہٹ گیا اور جو دل اطمینان اور سکون کا گھر تھا آج اس میں طرح طرح کے شکوک آئے اس کتاب کے سبق میں اور آپ کی تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اگر میں حضور سے اس بارے میں کچھ دریافت کروں تو شافی جواب سے میرے شبہات رفع فرما دیں گے؟

استاد : کیسے شبہات؟ لاؤ میں تو دیکھوں کیا کتاب ہے اور اس کا مصنف کون ہے؟ یہ کہہ کر کتاب لیکر کھولی دیکھا اور اس کا نام ٹائٹل پر پڑھا، اور انتہائی افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔

پیارے شاگردو : یہ کتاب جس کا نام ”تقویۃ الایمان“ ہے اور مصنف اس کے مولوی اسماعیل دہلوی صاحب ہیں۔ دراصل یہ کتاب ”کتاب التوحید“ کا ترجمہ ہے۔ ابن عبد الوہاب نجدی، جو نجد میں پیدا ہوا تھا اس نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی اس کا ترجمہ اردو میں کیا گیا ہے۔ اور اس نئے مذہب اور غلط عقیدے کو عوام میں پھیلانے کی غرض سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کی گئی ہے، جہاں اور جس کو یہ کتاب بھیجی جاتی ہے۔ اسے یہ ہدایت لکھ کر بھیج دی جاتی ہے کہ شہر کے معزز لوگوں کے نام اور پتے لکھ کر بھیج دو۔ لوگ بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح تمہارا نام اور پتہ بھی کسی نے لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ اس کو پڑھ کر جب تم جیسا آدمی کہ جس کو تھوڑی بہت علم کی روشنی بھی حاصل ہے چکر میں پڑ گیا تو عوام، ناواقف، معمولی اردو پڑھے ہوؤں کا کیا حال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ کتاب چھپی، دنیا بھر اسلام میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس نئے مذہب اور باطل

عقیدے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ تمہارا اور ہر مسلمان کا قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر ایمان ہے۔ مگر اس کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سوائے ان علماء کرام کے جن کو اللہ تعالیٰ جل و علانے توفیق اس کے سمجھنے کی مرحمت فرمائی۔ محض قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لینے سے ہر گز ہر گز اس کا صحیح مطلب ہاتھ نہیں آ سکتا۔ بطور مثال میں تم کو بتاتا ہوں کہ اردو ہماری مادری زبان ہے۔ مگر اکثر لوگ اس میں دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ قرآن شریف کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں، ایک عجیب ﴿مثال﴾ ایک مرتبہ ایک برات کہیں جا رہی تھی، براتی ساتھ تھے، دو پہر کا وقت تھا۔ راستے میں ایک پل تھا جس کا پھاٹک وقت مقررہ پر کھلتا تھا۔ جب برات پھاٹک پر پہنچی، اسے بند پایا، دروازے پر پہرے والا کھڑا تھا۔ اس سے کہا کہ پھاٹک کھول دے، اس نے جواب دیا کہ حضرت میں تھوڑی تنخواہ کا آدمی ہوں روپورٹ ہو گئی تو نوکری جاتی رہے گی۔ وہ سامنے دفتر ہے۔ جاؤ وہاں سے تحریر لے آؤ، وہاں پہنچے تو دفتر کے بڑے بابو پہچان کے تھے۔ انہوں نے براتیوں کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے ایک پرچہ پر یہ لکھ کر دستخط کر کے دیدیا۔ روکو مت جانے دو، ان لوگوں نے جیسے ہی پرچہ پہرے والے کو دیا اس نے فوراً پھاٹک کھول دیا، برات گزر گئی اس پر بابو جی سے جواب طلب ہوا کہ تم نے بے وقت پھاٹک کھولنے کا کیوں حکم دیا۔ بابو جی بولے میں نے حکم نہیں دیا بلکہ براتیوں کی تسکین کیلئے پرچہ لکھ کر دیدیا تھا جس کو پہرے والا نہیں سمجھ سکا میں نے اجازت نہیں دی بلکہ منع کیا تھا کہ روکو، مت جانے دو۔ دیکھو اردو کا جملہ ہے اگر مت کو ادھر ملا کر پڑھو تو اجازت نکلتی ہے۔ یعنی روکو مت جانے دو۔ اور ادھر ملا کر پڑھنے سے ممانعت نکلتی ہے۔ ایک اشارہ میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ ایسی مثالیں دن رات پیش آتی رہتی ہیں۔ تو اب قرآن

عظیم جو عربی میں ہے اس کی آیتوں کا صحیح مطلب بغیر تفسیر کے کیسے معلوم ہو سکتا ہے پھر یہ بھی سب سے پہلے دیکھا جائیگا کہ ترجمہ کرنے والا کس عقیدے کا ہے، تفسیر لکھنے والے کون بزرگ ہیں۔ اور شان نزول کیا ہے، کوئی آیت کب اور کس کے بارے میں اتری ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں تمام وہ آیتیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بتوں اور بت پرستوں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں، مصنف (یعنی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی) نے ان کو مسلمانوں اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی طرف ڈھال کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ خیر یہ ساری باتیں آگے چل کر تم کو خود معلوم ہو جائیں گی۔ اب تم سوال کرو کہ کیا سوالات ہیں۔ انشاء اللہ تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔

شاگرد : حضور دریافت کرنے سے پہلے ہی آپ کی مختصر تقریر سے میرے دل کو بہت کچھ تسکین ہو گئی اور میں سمجھ گیا کہ اس کتاب کو پڑھ کر جتنے شبہات پیدا ہوئے وہ میری کم علمی کا سبب ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہر سوال کا جواب با صواب مرحمت فرما کر میرے ایمان کو جو کفر و ایمان کے دورا ہے پر آچکا ہے ٹھیک اور سچے راستے پر لگا دیں گے۔

﴿شاگرد کے دواہم سوال اور ان کا جواب﴾

سوال (۱): کیا بزرگان دین کی پیروی نہ کرنی چاہئے اور کیا ان کا اتباع درست نہیں؟

سوال (۲): دین میں جو علماء فقہاء، مجتہدین وغیرہ ہوئے ہیں ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے، ان کی کتابیں جن کو تصنیف کرنے میں ان بزرگوں نے اپنی ساری عمر کی کوششیں خرچ کیں، ان کتابوں کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیا بغیر ان اکابرین

علماء مجتہدین اور آئمہ کرام کے بتائے ہوئے اور سمجھائے ہوئے ہر شخص خود بخود اللہ و رسول کا کلام سمجھ سکتا ہے ؟

جواب: دیکھو یہ تقویۃ الایمان کا گمراہ کرنے والا سب سے پہلا سبق ہے اور سارا گمراہ کرنے کا راز انہیں دو باتوں میں پوشیدہ ہے، کیونکہ جب تک آدمی اپنے بزرگوں کے طریقہ کو نہ چھوڑے، بلکہ ان کے طریقوں کو مضبوط پکڑتے ہوئے ان کی پیروی کرنے کو ضروری خیال کرے اس وقت تک دنیا کی کوئی مخالف طاقت اس کو گمراہ نہیں کر سکتی جس طرح کہ ایک بچہ جس میں ہر قسم کا اناج ڈال کر گھمانے سے سارا اناج پس کر آتا ہو جاتا ہے مگر جو دانہ کیلی سے قریب ہوتا ہے وہ بدستور قائم رہتا ہے اس پر ہوا نہیں آتی۔ اسی طرح ہمارا مرکز (یعنی کیلی) سلف کے بزرگوں کی پیروی ہے جو اس مرکز پر قائم رہے گا اس کا دین و ایمان سلامت رہے گا۔ اسے دنیا کا کوئی خود غرض خواہ کتنی ہی چالیں چلے اور نیاندھب منوانا چاہے۔ ہرگز نہیں منوا سکتا کیونکہ جب وہ اس کو اپنی نئی بات بتائے گا مثلاً یہ کہے کہ فاتحہ و نذر و نیاز نہ کرو، میلاد نہ کرو، سب بیکار و فضول ہے، تو سننے والا یہ کہہ کر جھڑک دے گا۔ میرے بڑے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں، میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اور اگر وہ بہکانے والا دوسرے طریقہ سے بہکائے اور یوں کہے کہ یہ کام مت کرو تمہارے دین کے خلاف ہے۔ قرآن کریم و حدیث شریف میں اس کے کرنے کا کہیں ثبوت نہیں تو مسلمان اس کا جواب یہ دیگا کہ قرآن و حدیث پر تو میرا ایمان ہے لیکن یہ بات میں اپنے علماء سے دریافت کر لوں کہ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت ہے یا نہیں اگر وہ بتائیں گے کہ ہاں ممانعت ہے تو میں سر جھکا کر مان لوں گا۔ اور اگر انہوں نے فرمایا کہ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت نہیں ہے تو ان کے مقابل میں آپ کی

بات ہرگز ماننے کیلئے تیار نہیں۔ یہ جواب سنتے ہی گمراہ کرنے والا بھٹک جائے گا۔ اور آئندہ بہکانے یا کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑے گی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قرآن و حدیث کا نام لیکر جاہل کو بہکایا جاسکتا ہے مگر یہ عالم کے پاس گیا تو وہ سچی بات بتا کر میرا پردہ فاش کر دیگا۔ اسی لئے گمراہ کرنے والوں نے گمراہ کرنے اور بہکانے کا طریقہ نکالا کہ پہلے عام مسلمانوں کو ان کے علماء اور بزرگان دین کی طرف سے بدظن کریں، ایسا سبق پڑھائیں کہ یہ ان کی ضرورت ہی نہ سمجھیں ان کی طرف رخ ہی نہ کریں۔ سب سے پہلے رافضیوں اور خارجیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کو ان کے بزرگوں یعنی صحابہ کرام سے بدگمان کرنے میں حد درجہ کوشش کی جن لوگوں کو بہکایا اور صحابہ کرام سے بدگمان کر لیا انہیں کو دین سے پھیر کر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئے اور جو لوگ ان کے بہکانے میں نہ آئے صحابہ کا دامن نہ چھوڑا ان کا ایمان آخر تک سلامت رہا۔ اور رافضیوں اور خارجیوں کا ان مسلمانوں پر کچھ پس نہ چلا۔ یہی طریقہ مولوی اسماعیل دہلوی نے ابن عبد الوہاب نجدی کا عقیدہ پھیلانے اور مسلمانوں کو دوہابی بنانے کیلئے اختیار کیا ہے۔ اور انہیں باتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ پوری عبارت تقویۃ الایمان کی یہ ہے۔

”اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکال لی ہیں سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔“ (تقویۃ الایمان ص ۴۷/ مطبوعہ حیدری پریس دہلی) یہ عبارت نہ تو کسی آیت کا ترجمہ ہے اور نہ ہی حدیث شریف کا مضمون، بلکہ قرآن و حدیث کے خلاف ایک نئی بدعت کی ایجاد ہے۔ ایسی حالت میں ناواقف مسلمان کو چاہئے کہ جب کوئی نئی بات سنے

یا کسی کتاب میں دیکھے تو فوراً دوسرے عالموں سے دریافت کرے اور نیت یہ رکھے کہ میں سچی اور حق بات کی تلاش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمادے گا۔ اور حق بات ہاتھ آجائے گی۔ جس طرح تم نے اس کتاب میں نئی نئی باتیں دین کے خلاف دیکھیں تو تمہارا دل بے چین ہو گیا اور سچائی کی تلاش شروع کر دی، دیکھو مولوی اسماعیل صاحب ذہن کی تیزی اور عقل کے فیصلے جو علماء اہل سنت نے بالکل قرآن و حدیث کے مطابق فرمائے اس کی تو مخالفت کر رہے ہیں۔ اور اپنے ذہن کی تیزی سے جو عبارت بالکل قرآن شریف کے خلاف نکالی منوار ہے ہیں۔ مگر قرآن شریف ساڑھے تیرا سو برس پہلے ہی اس کا رد فرما چکا اور ہمیں حکم دے چکا کہ تم خدا سے اس طرح عرض کرو۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ
الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

(سورۃ فاتحہ پارہ ۵ آیت ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے راستے پر ہمیں چلنے کا حکم ہی نہیں دیتا بلکہ فرماتا ہے۔ کہ ہم سے دعا کرو کہ انہیں کے راستے پر چلا جن پر تو نے احسان کیا جیسے صحابہ کرام ہیں۔ اور جتنے اس امت میں امام گزرے ہیں اور جتنے اولیاء اللہ ہوئے وغیرہ وغیرہ یہ سب اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اللہ نے ان سب پر احسان فرمایا۔ اب تم بتاؤ کہ انہیں بزرگوں کے راستے اور طریقے پر چلو گے یا ان کا راستہ اور طریقہ چھوڑ کر گمراہی کے جال میں پھنسانا پسند ہے۔

دوسری آیت سنو!

وَمَنْ يَشَأْ فَقِ الْقُرْآنَ مِنْ بَعْدِ
مَاتَيْنَ لَهُ الْهَدْيُ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصْلِهِ
جَهَنَّمَ وَسَاءَ ثَمَرٌ مَصْنُوعًا

(پ ۵، سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے اسے ہم اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ اور طریقہ اختیار کرے گا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا، دیکھو یہ وہی مومنین کا راستہ ہے جس کو مولوی اسماعیل صاحب تقویۃ الایمان میں پہلوں کی رسمیں، بزرگوں کے قصے مولویوں کی باتیں بتا کر چھڑانا چاہتے ہیں۔ ہوشیار رہو! ایمان والوں کیلئے یہ وہی آیتیں کافی ہیں۔ جو ان پر عمل کرے گا۔ اور اپنے رب کے فرمان کے آگے کسی کی بات نہ مانے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اور جو رب کے فرمان کے خلاف ایمان والوں کی راہ سے جدا راہ چلے گا جہنم کا مستحق ہوگا۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

اب دوسری بات کہ قرآن مجید کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے اس کے بارے میں پوری عبارت یہ ہے۔

”اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کو بڑا علم چاہئے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔“

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ ہر جاہل معمولی اردو پڑھا ہوا قرآن شریف اور حدیث شریف خود سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے، افسوس کہ اس غلط عبارت کو قرآن پاک کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں اور جو آیت پیش کی وہ یہ ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ۔
(پ ۱، البقرة آیت ۹۹) ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔

(ف) یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔

یہ فائدہ بے فائدہ جناب اپنی طرف سے بڑھا کر کچھ آگے فرماتے ہیں۔ ”اور اللہ و رسول کے کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہئے۔ کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتلانے اور جاہلوں کے سمجھانے کو اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔“

دیکھو اس عبارت میں نہ تو شان ادب ہے کہ نہ کسی آیت یا حدیث کا مفہوم بلکہ یہ کہنا اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہئے۔ ہر جاہل سمجھ سکتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ آیتوں کا بین اور روشن ہونے کے یہ معنی نہیں کہ قرآن پاک سیکھنے اور علماء سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب سے کبھی کسی نے یہ تو دریافت کیا ہوتا کہ جناب جب ہر شخص ان باتوں کو خود سمجھ سکتا ہے تو آپ نے سمجھانے اور بتلانے اور کتابیں تصنیف کر کے چھپوانے کی تکلیف کیوں گوارا فرمائی؟

اب آپ آگے لکھتے ہیں۔ ”جو کوئی یہ آیت سکر یہ کہنے لگے کہ پیغمبروں کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا۔ سو اس نے

آیت کا انکار کیا۔“

دیکھو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے بزرگوں کا دامن چھوڑو، ولیوں، عالموں، اماموں کی بات نہ سنو، بس مجھے امام بنالو میرا کہا مان لو۔ افسوس کہ کم علم مسلمانوں کا اگلے بزرگوں اور عالموں سے تعلق چھڑانے کا کیسا پر فریب پہلو اختیار کیا ہے۔ ایسی چند آیتیں اور بھی ہیں مثال کیلئے ایک سناتا ہوں۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (پ ۴، سورۃ
انحل آیت ۸۹) اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شے ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے نبی کے بتائے بغیر نہیں سمجھ سکتی۔ چنانچہ دوسری آیت میں خلاصہ فرمادیا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ۔
(پ ۴، سورۃ انحل آیت ۴۴) اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ تم لوگوں کیلئے بیان فرما دو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے۔

یعنی اے محبوب تم پر تو قرآن کریم نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں سے جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن کر دو، قابل غور یہ چیز ہے کہ پہلی آیت میں ”وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ“ فرمایا یعنی اتاریں ہم نے تیری طرف، یہ خاص حضور کی نسبت ہے اور دوسری آیت میں ”نَزَّلَ إِلَيْهِمْ“ فرمایا۔ یہ امت کی نسبت فرمایا ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا بین اور روشن اور کھلا ہوا ہونا خاص حضور کیلئے ہے کہ اس کے ذریعہ ہر چیز حضور پر روشن ہوگی اس میں سے جو امت کیلئے تھا وہ صحابہ کرام کو تعلیم فرمادیا اسی لئے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ (بخاری شریف)۔ یعنی ہمارے لئے قرآن مجید بس ہے۔ مگر جان برادر! یہاں بڑے غور کرنے کی یہ بات ہے کہ امیر المؤمنین نے کب فرمایا۔ اس وقت فرمایا جب حضور سے قرآن کو سمجھ لیا اور یہ انہیں جیسے حضرات کی شایان شان ہے۔ اب عقل سے سوچو کہ آجکل کے لوگ اس کلام کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ جب تک کہ اگلے عالموں اور بزرگوں سے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جیسا کہ بیسویں پارے میں ارشاد فرمایا۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَ لَهَا
لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ
(پ ۲۰، سورہ عنکبوت آیت ۳۳) عالم۔

اب تو ثابت ہو گیا کہ مولوی اسماعیل صاحب کا دعویٰ کہ قرآن پاک کے سمجھنے کیلئے عالموں کی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک کے بالکل خلاف ہے۔ مولوی اسماعیل کی نیت حقیقت میں دھوکہ دیکر عوام مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے ورنہ جو آیت انہوں نے پیش کی ہے اس کا ترجمہ خود بتاتا ہے ”اور اتاریں ہم نے تیری طرف باتیں کھلی اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں“۔ تو اب بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی کا پہلو بدل کر یوں کہے کہ ہر شخص خود بخود سمجھ سکتا ہے اس کا سمجھنا مشکل نہیں، سو وہ خود حکم قرآن فاسق ہے کیونکہ اس نے حضور کیلئے وہ چیز تسلیم نہیں کی بلکہ عوام کیلئے مانی۔ ایک بادشاہ جب اپنے نائب کو کہیں بھیجتا ہے تو پہلے تمام باتیں جو اس کی ذات سے وابستہ ہوتی ہیں تعلیم فرما دیتا ہے تمام بھیدوں اور راز کی باتوں سے آگاہ و خبردار کر دیتا ہے اس کے بعد جو احکام آتے ہیں۔ اس میں صرف اشارے اور کننائے ہوا کرتے ہیں جن کو سوائے اس نائب کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، سو

اس بادشاہ حقیقی رب العزت جل وعلا نے اپنے نائب اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اسرار و رموز و نکات اور جمیع حالات گزشتہ اور آئندہ سے مطلع فرما کر مبعوث فرمایا۔ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا اور وقت و وقت سے احکام آتے گئے تو اب وہ احکام وہ باتیں وہ آیتیں بے شک روشن اور کھلی ہوئی ہیں مگر اللہ کے نائب مطلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہر شخص کیلئے نہیں۔

قرآن شریف کے سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

اب مولوی اسماعیل صاحب تو موجود نہیں ہیں، ہاں ان کو امام اور پیشوا و شہید ماننے والے موجود ہیں ذرا انہیں سے پوچھ کر ہمیں بتا دو کہ آپ لوگوں کے امام نے ”تفویہ الایمان“ میں یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں تو ذرا حروف مقطعات جس قدر کلام پاک میں آئے ہیں۔ مثلاً کھیلے عص وغیرہ ان کے معنی ہمیں سمجھا دیجئے۔ اور اگلے بزرگوں اماموں، مجتہدوں اور تفسیر لکھنے والوں کی تفسیروں اور ان کی کتابوں کی بغیر مدد لئے ہوئے قرآن پاک کی آیتوں کا جن کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہے۔ جدا جدا ہر ایک کا شان نزول محض قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ کر بتا دیجئے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان سب بزرگوں پیشواؤں کی مدد لئے بغیر کوئی ایک آیت کا بھی شان نزول نہیں بتا سکتا اور بغیر شان نزول معلوم کئے کسی آیت کا صحیح مفہوم اور مطلب ہاتھ نہیں آ سکتا کہ یہ آیت کس کے بارے میں اُتری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی آیت کا صحیح شان نزول بتا دے تو اگلی کتابوں میں دیکھ کر ہی بتا سکے گا اور کسی ترجمہ کرنے والے نے شان نزول لکھا بھی ہوگا تو اگلے بزرگوں کی کتابوں ہی میں دیکھ کر لکھا ہوگا۔ بالفرض اگر کوئی یہ بتائے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے تو سننے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا شان

نزول یہ ہے، تو مجبوراً اگلے بزرگوں اور اماموں اور مفسرین کی کتابوں کا نام لیتا ہی پڑے گا ورنہ کوئی بھی ایسی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ اسی طرح اور ہزاروں باتیں ہیں جن کیلئے اپنے اگلے بزرگوں کا دامن پکڑنا ہی پڑتا ہے کہ یہی حکم اللہ و رسول کا ہے (جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحمد اللہ تعالیٰ۔ یہ بالکل ثابت ہو گیا کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا روشن اور کھلا ہوا بیان ہے۔ مگر صرف حضور ہی کیلئے بغیر حضور کے بتائے کوئی نہیں سمجھ سکتا

شاگرد : آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ لوگ اس کلام پاک کو پڑھتے بھی ہیں اور پھر بھی گمراہ ہیں۔ حق بات ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔

استاد : دیکھو سورۃ بقرہ میں تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝
(پارہ ۱۰، البقرہ آیت ۲۶)

گمراہ کرتا ہے بہت سوں کو اور راہ دکھاتا ہے یہ (قرآن) بہت سوں کو اور نہیں گمراہ کرتا ہے یہ (قرآن) مگر فاسقوں کو۔

یعنی اس کو پڑھ کر بہت سے راہ پاتے ہیں اور بہت سے گمراہ ہوتے ہیں مگر گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق یعنی بدکار ہیں۔

شاگرد : قرآن شریف نے بھی کوئی طریقہ بتایا ہے جس پر عمل کر کے اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کیلئے اللہ نے نور بھیجا

استاد : ہاں بتایا ہے دیکھو۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ ۝
مُتِينٌ ۝ (پارہ ۶/ المائدہ آیت ۱۵)
تحقیق آیا تمہارے پاس (اللہ کی طرف سے) نور اور روشن کتاب
یعنی کتاب تو روشن ہے مگر اس کے پڑھنے کیلئے نور کی ضرورت تھی سو ہم نے ساتھ ساتھ نور بھی بھیج دیا۔

شاگرد : جب کتاب خود روشن ہے تو نور کی کیا ضرورت تھی؟

استاد : کتاب تو ضرور روشن ہے مگر بغیر دوسری روشنی کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھو ایک روشنی کبھی کارآمد نہیں ہوا کرتی جس طرح آفتاب کی روشنی ہے دنیا کی ہر چیز روشن ہے مگر جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کے لئے ہر چیز کا روشن ہونا بیکار ہے

یا آنکھ میں روشنی ہو مگر آفتاب نہ ہو رات کا وقت ہو تو آنکھ کی روشنی کارآمد نہیں ہوتی۔ بہر کیف دوسری روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح سورج

کے ہوتے ہوئے دنیا کی ہر چیز ظاہر و روشن ہے مگر اندھے کیلئے اس ہر چیز کا روشن ہونا نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح قرآن پاک روشن مگر جس کے دل میں نور

ایمان نہیں اس کے لئے یہ کلام پاک ایسا ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں روشن چراغ

شاگرد : وہ اللہ کا بھیجا ہوا نور کون سا ہے جس کے بغیر کلام پاک نہیں سمجھ سکتے۔

استاد : وہ نور مجسم ہمارے تمہارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ”مُتِينًا“ یعنی روشن چراغ فرمایا۔

شاگرد : سبحان اللہ! تو وہ روشن چراغ ہمارے آقا ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر یہ تو فرمائیے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کیوں فرمایا

سورج یا چاند کیوں نہیں فرمایا؟

استاد : وہ خصوصیت چاند اور سورج میں نہیں جو چراغ میں ہے۔ قاعدہ ہے کہ

جب کوئی اپنا چراغ روشن کرنا چاہتا ہے تو کسی روشن چراغ کی لو سے لوملا کر روشن کر لیتا ہے اور ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ مگر چاند اور سورج میں یہ صفت نہیں۔ اسی لئے مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے بجائے چاند و سورج کے ”سَوَاجِدًا مُنِيرًا“ یعنی روشن چراغ فرمایا۔ تو اب قرآن شریف پڑھنے اور سمجھنے کیلئے نور لینا چاہو تو دل کے چراغ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تیل اور محبت کی بتی ڈال کر عشق کی گرمی سے روشن کر کے پڑھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ سمجھ لو گے، بغیر اس کے ایک آیت کا بھی صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے کلام پاک نے دین کی نعمتیں حاصل کرنے کیلئے دو قانون ہمیں بتائے۔ پہلا قانون

مَا أَنكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (پارہ ۲۸، جس سے منع فرمائیں باز رہو۔)

الحشر آیت ۷)

جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اس آیت کریمہ سے دو باتیں خاص معلوم ہوئیں یعنی جو حکم ہو اس پر عمل کرو اور جس کام سے منع فرما دیا ہو وہ مت کرو۔

جن باتوں کا قرآن وحدیث میں نہ حکم ہے نہ ممانعت ان کا کرنا کیسا ہے؟

شاگرد: حضور ایسی بھی تو بہت سی باتیں ہیں جن کے کرنے کا نہ تو حکم ہے اور نہ ان کیلئے منع فرمایا ہے۔ وہ کس درجہ میں شمار ہوں گی جیسے میلا دشریف، فاتحہ، بزرگان دین کی نیاز، عرس، تیج، چالیسواں وغیرہ وغیرہ ان تمام کاموں سے یہ کہہ کر روکا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں کہیں حکم نہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔

استاد: یہ منع کرنے والوں کی جہالت ہے کہ وہ قانون شریعت سے واقف نہیں

ورنہ کوئی کام اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک قرآن عظیم نے ناجائز نہ فرمایا ہو۔ اپنی طرف سے کسی فعل کو ناجائز کہنا نئی شریعت گڑھنا ہے صحابہ کرام ہر بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم ان باتوں کو پوچھ پوچھ کر کیوں پابند ہوتے ہو جو خدا اور رسول کی طرف سے معاف ہیں۔ یعنی ان کو تمہاری آسانی کیلئے چھوڑا گیا تو بھول کر نہیں چھوڑا گیا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ صاف صاف بیان فرما دیا جو تم (پارہ ۸، الانعام/آیت ۱۱۹)

پر حرام کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

یہی وجہ ہے کہ مسلمان ابتدائے اسلام میں شراب کا استعمال کرتے تھے جس دن سے حرام کر دی گئی اسی دن سے ترک کر دی۔ مسلمان عورتیں بے پردہ رہتی تھیں جب سے پردہ کا حکم آیا پردہ کرنے لگیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں مولیٰ تعالیٰ تو فیق دے تو اتنا ہی کافی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو کار خیر وہ کرتے ہیں ان کو اگر کوئی منع کرے تو کہہ دیں کہ قرآن اور حدیث میں اس کی ممانعت دکھا دو، دیکھو پھر منع کرنے والا خود خاموش ہو جائے گا۔ ان تمام امور خیر کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے (بخاری ص ۱۲ ج ۱)۔ اس ارشاد نے تمام مسلمانوں کیلئے بالکل راستہ کھول دیا کہ اگر نیت حسن اور نیک ہے تو وہ فعل بھی حسن اور نیک ہے یعنی ان کاموں کا کرنے والا ثواب پائے گا۔

شاگرد: مگر تیرہ سو برس کے بعد آج کل کے مسلمانوں کو کیسے معلوم ہو کہ حضور نے کیا حکم دیا ہے اور کس بات سے منع فرمایا۔

استاد : یہی معلوم کرنے کیلئے قرآن مجید نے دوسرا قانون بتایا۔

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پ ۱۷، الانبیاء آیت ۷)

علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو

شاگرد : یہ تو آجکل اور بھی دشوار چیز ہے کہ اسی چیز کو بعض علماء جائز بتائیں اور اسی کو بعض مولوی ناجائز اور حرام بتائیں۔ کس کی بات پر عمل کریں۔

استاد : یہ سوال تم نے خوب کیا اب بات بالکل صاف ہو کر دوست دشمن کی پہچان ہو جائیگی۔ دیکھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

الْأَعْدَاءُ ثَلَاثَةٌ دُشْمَنٌ تَمَنٍّ هُنَّ - عَدُوٌّ كَفٌّ وَعَدُوٌّ

صَدِيقُكَ وَصَدِيقُ عَدُوِّكَ - ایک تیرا دشمن، دوسرے

تیرے دوست کا دشمن، تیسرے تیرے دشمن کا دوست

اب دیکھنا یہ ہے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ دوست کا دشمن کون ہے اور دشمن کا دوست کون ہے۔ مسلمانوں کے دوست خدا اور رسول ہیں (جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم) اور دشمن خدا اور رسول کا ابلیس لعین ہے۔ اور اس کے دوست بد مذہب ہیں اور دوست اللہ و رسول کے صحابہ کرام و اولیاء عظام وغیرہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس رب کریم نے ہم میں اپنا رسول بھیجا جنگی شان میں فرمایا۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رِءُوفٌ رَحِيمٌ (پ ۱۱) یعنی مسلمانوں پر بہت بڑے مہربان۔

(التوبہ آیت ۱۲۸)

تو حضور سے زیادہ جہان میں مسلمانوں کا سچا دوست اور رفیق و مہربان دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ حضور نے ہمیں دین دیا، ایمان دیا، ایمان کے برقرار رکھنے کیلئے اور اس میں روحانیت پیدا کرنے کیلئے روحانی غذا کیں مرحمت فرمائیں اور وہ غذا کیں

قرآن پاک کی سچی تعلیم ہے۔ جس کا دوسرا نام دین کی نعمتیں ہیں۔ اور یہ تمام نعمتیں جو قیامت تک کیلئے ضروری تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو جو وقت پر موجود تھے یعنی صحابہ کرام کو عطا فرمادیں اور ان صحابہ کرام سے انہیں نعمتوں کو تابعین نے حاصل کیا۔ تابعین سے تبع تابعین نے پایا اور پھر اسی طرح درجہ بدرجہ ہر زمانے کے اماموں، فقیہوں، مجتہدوں، عالموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ اور واسطے سے آج تک جماعت اہل سنت نے انہیں نعمتوں کو پایا اور پاتے رہیں گے۔ مگر شیطان لعین جو مسلمانوں کے دین و ایمان کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ کیا کرتا ہے۔ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے دشمنی کی مختصر وجہ پر غور کر لیا جائے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اہل سنت چونکہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی فدائی اور شیدائی ہے کہ وضو کیلئے ان کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پانی طلب کرے تو ان صحابہ کے اس طرح پانی لانے کیلئے دوڑتے کہ دیکھنے والے سمجھتے، آپس میں لڑمیں گے یعنی ہر مسلمان یہی چاہتا تھا کہ یہ خدمت میں انجام دوں میرے ہاتھوں سے ہو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ انہوں نے منزل صہبا میں عصر کی نماز کو حضور کے آرام پر قربان کر دیا وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے نظارے دیکھ کر ابلیس نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکال دے کیونکہ حضور کے نور پاک کی تعظیم کیلئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کی عمر بھر کی عبادت خاک میں ملی۔ اور ہمیشہ کیلئے لعنت کا طوق گلے میں پڑ گیا۔ پھر یہ مردود کیسے گورہ کرتا کہ دنیا میں کوئی ان کی تعظیم کرے مدتوں اسی دھن میں لگا رہا۔ اور سو چتا رہا کہ کیا تدبیر کروں، کس کو آلہ کار بناؤں، اس

عرصہ میں اس نے کئی طریقوں سے کام لیا اور قدرے کامیاب بھی ہوا۔ اس جماعت اہلسنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتنے ہی فرقے بنا ڈالے مگر اس سے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ آخر کار ۱۲۰۹ھ میں ایک مطلب کا یار مل گیا۔

وہابیوں کا نیا مذہب کیوں نکلا ہے؟

ابن عبد الوہاب نجدی، اور اس کی خبر مضر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی کہ نجد سے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ وہاں سے شیطان کا سینک نکلتے گا، دنیا کی دولت جاہ و حشمت اور حکومت کا لالچ دین کی نعمتوں اور عقبی کی دولتوں سے اندھا کر دیتا ہے حق اور ناحق کچھ نہیں سوچتا یہ یاد اور اس کے ساتھی اٹھارہ ہزار یا بائیس ہزار کوئی کیا یہ سب کلمہ نہیں پڑھتے تھے یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتے تھے مگر صرف دنیا کی خاطر عقبی سے منہ موڑ کر جہنم کے راستے پر ہول لئے اور کربلا کے میدان میں اپنے نبی کی آل کے ساتھ وہ کرکڑے جس سے آج دنیا کے نہ صرف کلمہ پڑھنے والے بلکہ غیر مسلم بھی حیران ہیں یہی شوق اور جذبہ ابن عبد الوہاب نجدی کو پیدا ہوا کہ مکہ اور مدینہ پر حکومت کرے اور حکومت بغیر تلوار اٹھائے مل نہیں سکتی، کیا تدبیر کی جائے اور کس طرح لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا جائے یہ اسی فکر میں تھا کہ شیطان اس کا مددگار بنا اور یہ حکمت سمجھائی کہ جب تک تو مکہ اور مدینہ اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائے گا تب تک تو کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ عام طور سے ہر مسلمان قرآن و حدیث پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جب سنتا ہے کہ یہ بات قرآن و حدیث میں یوں لکھی ہے تو دل و جان سے مان لیتا ہے۔ لہذا وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ نے بتوں اور بت پرستوں کی مذمت میں نازل فرمائی ہیں جمع کر اور جو حدیثیں ان کی تائید

میں ملیں انہیں جن لے۔ اور ان کا ترجمہ لکھ کر اور کچھ ترجمہ میں اپنی طرف سے ملا کر انبیاء، صحابہ، ائمہ، اولیاء، شہداء، صالحین، مجتہدین وغیرہ کہ انہیں سب کے ذریعہ قرآن و حدیث کی سچی تعلیم عام مسلمانوں تک پہنچ رہی ہے۔ ان سب کو بتوں کی جگہ ثابت کرنے کی کوشش کر اور تمام مسلمان چونکہ ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ان کو بت پرست اور مشرک بتا کر اپنی جماعت کو ان کے خلاف جہاد کیلئے آمادہ کر، اس کے سوا اور کوئی تدبیر حکومت ملنے کی نہیں۔

سوا ابن عبد الوہاب نجدی نے ایسا ہی کیا۔ اور ایک کتاب۔ ”کتاب التوحید“ کے نام سے تصنیف کی جو عربی میں تھی، اس کتاب کا ترجمہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اردو میں کیا۔ اس کا نام ”تقویۃ الایمان“ رکھا۔ اور جن مولویوں کو دین سے زیادہ دنیا پیاری تھی دنیا کی دولت نے انہیں بھی عقبی کی نعمتوں سے اندھا کر دیا۔ غرض کہ ایسے مولوی محض دنیا کی خاطر تعلیم اور سچے مذہب اور سچے عقیدے سے ہٹ کر جہنم کے راستے پر ہول لئے اور ابن عبد الوہاب نجدی کا نیا مذہب اور نیا عقیدہ پھیلا نا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارثوں اور نائبوں نے خصوصاً امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس جھوٹے مذہب اور باطل عقیدے کی اشاعت دیکھ کر اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان کے مکر و فریب سے بچانے اور آگاہ کرنے کیلئے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں اور تقریروں میں بھی یہی فرمایا کرتے کہ تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو، بھیڑیے تمہاری تاک میں لگے ہیں۔ دین کے ڈاکو تمہارے دین کی پونجی اور ایمان کی دولت لوٹنے کیلئے طرح طرح کے بھیس میں پھر رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کی سچی تعلیم جو آج تک سلسلہ بہ سلسلہ تم تک آرہی ہے۔ اس میں

دنیا کے لالچوں اور دین کے دشمنوں نے عقیدگی کا زہر ملا دیا ہے ہوشیار، خبردار، کہیں ان کے فریب میں نہ آ جانا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے۔ سونے والو جاگتے رہو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ۔ سکا جل صاف چرائیں یاں دہ چور بلا کے ہیں۔ تیری گھڑی تا کی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے ماری رکھے گا۔ ہائے مسافر دم میں نہ آ نامت کیسی ستوالی ہے

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ بیارے۔ تو کہتا ہے بیٹھی نیند ہے تیری مت ہی زالی ہے

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈاکن شوہر کش۔ اس مردار پہ کیا لچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے

اس اعلان کی صدا کہیں قریب قریب دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ چکی ہیں۔ آج اگر کسی بستی میں یہ خبر ہو جاتی ہے کہ ڈاکو آئے ہوئے ہیں۔ ہوشیار رہنا۔ فقط اتنی سی بات سکر بستی کے لوگوں کو ساری رات نیند نہیں آتی جاگ جاگ کر پہرہ دے دے کر جان و مال کی حفاظت کیلئے صبح کر دیتے ہیں۔ کیا دین و ایمان کی قدر جان کے برابر نہیں رہی۔ اگر ہے اور خدا کرے ہو تو اب بتاؤ کہ اس اعلان کو سکر عام مسلمانوں کا کیا فرض تھا۔ جن مسلمانوں کو اللہ و رسول اور اللہ و رسول کا دیا ہوا دین پیارا اور عزیز تھا۔ وہ سب کے سب اس اعلان کو سکر ہوشیار ہو گئے، خبردار ہو گئے اور اعلان کرنے والوں کے قدموں میں آگرے اور اپنے دین و ایمان کو ڈاکوؤں سے بچالیا اور جن لوگوں کے دلوں میں دین و ایمان کی قدر نہیں وہ غور نہیں کرتے کہ کون کیا کہہ رہا ہے، مگر ایسی لاپرواہی کرنے والے خوب یاد رکھیں کہ ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا نہیں ہے۔ قیامت قریب ہے خدا کے سامنے جانا ہے اس کے فیصلے کا انتظار کرتے رہیں (اپنے شاگرد غلام و نگیر کی طرف اشارہ کر کے) تمہارے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی عالم، مقرر، جو اعظا، تمہارے سامنے کسی بات کو حرام یا ناجائز یا شرک یا

بدعت بتائے کہ اس آیت یا حدیث کا مطلب صحابہ کے نزدیک یا محدثین کے نزدیک بھی یہی ہے یعنی ان کی عبارتیں اور راویوں کے حوالے تمہارے سامنے پیش کرے تو بلا تکلف مان لو کہ یہ حق پر ہے اور اگر مسئلہ خود بیان کرے کہ یہ حرام اور بدعت اور ناجائز ہے مگر اس کے حرام اور ناجائز ہونے کے بارے میں نہ آیت پیش کرے نہ حدیث پیش کرے اور نہ کسی محدث کا قول نہ آئمہ و مجتہدین کی سند پیش کرے بلکہ انہیں سے کہے کہ لاؤ کہاں جائز لکھا ہے بس پہچان لو کہ یہ انہیں میں سے ہے جس سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔

دوست دشمن کی سب سے بڑی پہچان

چونکہ یہ لوگ تقیہ کر لیتے ہیں جس سے لوگ دھوکہ میں آ جاتے ہیں۔ اس لئے میں ایسی اعلیٰ اور نفیس چیز بتاتا ہوں جس پر عمل کر کے تم کبھی قیامت تک دھوکہ نہیں کھا سکتے وہ یہ کہ جس کسی کو تم جاننا چاہو اور یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ مولوی وہابی ہے یا سنی، چاہے وعظ کرانا ہو یا مسجد میں امامت کیلئے مقرر کرنا ہو یا اپنے مدرسے میں اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے رکھنا ہو اس کے سامنے ”حسام الحرمین شریف“ پیش کرو۔ اس کتاب میں اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر تلے اور مدینے کے تمام علمائے کرام نے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جو ان لوگوں کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد انہیں رسول کی توہین کرنے والوں کو مسلمان سمجھے یا ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی انہیں کی طرح کافر ہے نہ اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے نہ اس سے وعظ کرنا درست بلکہ ہر طرح اس سے دور رہنا اور اس کو اپنے سے دور رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ ہر فرض سے اہم فرض ہے یہ کتاب ”حسام الحرمین“ دکھاؤ اور دریا فت کرو کہ یہ کتاب کیسی ہے آیا آپ کے

نزدیک یہ فتاویٰ حق و صحیح ہیں یا نہیں اگر وہ پہلو تہی کرے یا بہانے بنائے تو کسی پہلو اسے بچنے کا موقع نہ دواگر کہے کہ میں نے یہ کتاب پڑھی نہیں ہے تو کہہ دو کہ اب پڑھ لیجئے اور پڑھ کر بتائیے میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ مسلمان سنی صحیح العقیدہ ہے تو بلا تکلف کہہ دے گا کہ ہاں یہ کتاب حق ہے میں اس کے فتوؤں کو مانتا ہوں تو فوراً اس سے ایک کاغذ پر لکھوا کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لو اور یہ یقین کے ساتھ جان لو کہ یہ سنی ہے۔ اور اگر وہ کسی پہلو نہ جھے اور بہانے لے کہ صاحب میں مفتی نہیں ہوں یہ تو کام مفتیوں کا ہے یا یہ کہے کہ صاحب مجھے نہیں معلوم کہ ایسی عبارتیں ان مولویوں نے لکھی بھی ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو یاد رکھو کہ یقیناً بلاشبہ وہ تقیہ باز و باہی ہے اس کو ہرگز امام نہ بناؤ اس کو اپنے بچوں کا استاد نہ بناؤ۔ اسکو منبر پر وعظ کیلئے جگہ نہ دو، اس کا وعظ نہ سنو، اگر تم نے اور عام مسلمانوں نے میری اس بات پر عمل نہ کیا تو دین و ایمان کی حفاظت کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق بخشے۔ آمین۔ اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ کتاب ”حسام الحرمین“ سے مل سکتی ہے لیکر اپنے پاس رکھے اور پڑھے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کسی عالم سے جو اس کی تصدیق کرے اُن سے پڑھے اور سمجھے اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دے۔ استاد کے اس بیان سے سب نے خوش ہو کر کہا۔ سبحان اللہ بڑی نفیس نصیحت فرمائی۔ خدا کرے تمام مسلمان اسی پر عمل کریں تاکہ کبھی کسی کے فریب میں نہ آئیں، اس کے بعد غلام دنگیر نے ایک سوال پیش کیا۔

شاگرد : تقویۃ الایمان کے صفحہ ۴ پر ایمان کے بارے میں یہ عبارت لکھی ہے کیا یہ ٹھیک ہے۔ (غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ و رسول کے کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہئے اور جو بہت گنہگار ہو اس کو اللہ و رسول کی راہ چلنے میں زیادہ

کوشش چاہئے سو ہر خاص و عام کو چاہئے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔ سونشنا چاہئے کہ ایمان کے دو جز ہیں، خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول جاننا، خدا کو خدا سمجھنا اس طرح پر ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح پر ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے اس پہلی بات کو تو حید کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو شرک اور دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت (استاد : اس میں یہ تو لکھا کہ اللہ و رسول کے کلام کو تحقیق کرے اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کرے مگر نہ کوئی آیت لکھی نہ کوئی حدیث کہ ایمان کیا چیز ہے بس اس کے ٹکڑے کر کے بتا دیا یہ کوئی بات نہ ہوئی پہلے قرآن کی آیتوں سے ایمان کو سمجھانا اور بتانا تھا کہ حقیقی ایمان کیا چیز ہے خدا و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔

شاگرد : کیا قرآن شریف میں اس کی تفصیل ہے۔

استاد : قرآن شریف میں ایمان کی تفصیل تو ضرور ہے، مگر چونکہ کلام پاک کی آیتوں سے اگر مولوی اسماعیل صاحب ایمان کو سمجھاتے تو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عزت اور وقار مسلمانوں پر آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا۔ انہیں چونکہ تو حید کی آڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات پر پردے ڈالنے تھے۔ اس لئے صاف اڑا گئے اور محض دل سے چند جملے گڑھ کر لکھ دیئے۔ تقویۃ الایمان کی عبارت تو بتاتی ہے کہ مشرکین کو تو حید سکھائی جا رہی ہے، مگر جب ایک شخص صدق دل سے پڑھتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ تو اس کے پڑھنے سے شرک کا خاتمہ ہو گیا۔ اب تو کلمہ پڑھنے والے کو یہ بتانا تھا کہ اللہ و رسول

نے ایمان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس کے مطابق ایمان درست کرو۔

شاگرد: اللہ و رسول نے ایمان کے بارے میں کیا فرمایا ہے، یہ تو ہمارے علماء پر فرض تھا کہ اس کو تفریروں اور تحریروں سے ناواقف مسلمانوں کو سمجھاتے اور بتاتے، مگر ہمیں آج تک پتہ نہ چل سکا کہ اصل ایمان کیا چیز ہے۔ ہم تو فقط کلمہ پڑھ لینا کافی سمجھتے رہے۔

استاد: یہ تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی دولت حاصل کرنے کیلئے ہزاروں تدبیریں کرتے ہو، مگر دین و ایمان کی دولت کہاں اور کیسے ملتی ہے۔ اب تک تم نہ معلوم کر سکے۔ علماء کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ ان کا کام بتانا ہے اور تمہارا کام دریافت کرنا، پانی خود پیاسوں کے پاس نہیں جاتا، ہمیشہ پیاسا پانی کی تلاش کیا کرتا ہے۔ سنیوں کے پیشوا و امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ”تمہید ایمان“ جس کو شائع ہوئے آج ستر، اسی برس کے قریب ہونے کو ہیں ہزاروں کی تعداد میں اس کی اشاعت ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ افسوس کہ تم کو آج تک اس کا علم نہیں۔ استاد کی اس بات کا سبب شاگردوں کے دلوں پر خاص قسم کا اثر ہوا سب پر خاموشی اور سکوت کا عالم طاری تھا۔ مدرسے میں بالکل سناٹا تھا اور خلاف معمول آج چھٹی کے وقت کو ایک گھنٹہ زائد گزر جانے سے آس پاس کے لوگ بھی آگئے۔ وہ بھی بیٹھے غور سے سنتے رہے۔ سب نے ”تمہید ایمان“ کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا، استاد کے پاس صرف ایک ہی نسخہ تھا وہ اس شاگرد کو جس کے پاس ”تفویہ الایمان“ تھی دیکر ہدایت کردی کہ آج رات میں بغور پڑھنا اور کل آکر سب کو سنانا اور سب شاگردوں اور دیگر لوگوں سے فرمایا کہ کل آکر تم لوگ سن لینا کہ اس

میں اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کے بارے میں کیا فرمایا ہے یہ کہہ کر سب کو چھٹی دے دی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا سبق

دوسرے دن جب مدرسہ کھلا۔ وقت مقررہ پر سب لوگ اور تمام شاگرد حاضری ہوئے۔ آج غلام دنگیر کا چہرہ خوشی سے تمھار ہا ہے۔ ایمان کی جلا ان کے بشرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کل جو دوسرے لوگ اتفاقاً مدرسے میں آگئے تھے۔ آج کتاب ”تمہید ایمان“ کے سننے کا شوق انہیں بھی سمجھ لایا ہے۔

استاد: (غلام دنگیر سے مخاطب ہو کر) کہتے آپ نے ”تمہید ایمان“ کا مطالعہ کیا۔

غلام دنگیر: جی ہاں، اس کتاب کا ایک ایک حرف مرنے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہے۔ غلام دنگیر اس کے آگے کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ استاد نے بات کاٹ کر فرمایا۔ **استاد:** بس اب زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں یہ تمام تمہارے بھائی اسی کے سننے کے شوق میں آئے ہیں۔ کھڑے ہو کر سب کو سناؤ۔

غلام دنگیر کھڑے ہو کر ”تمہید ایمان“ سناتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیْنَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ عرض

بارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو اور آپ

کے صدقے میں اس ناچیز کثیر السیات کو دین پر قائم رکھے اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت دے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہی مدار ایمان ہے

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۱: اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ
وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ
وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (پ ۲۶)
سورۃ الفتح آیت ۸-۹

اے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ
اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنانا، تاکہ اے
لوگوں تم اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو
اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجئے، قرآن اتارنے کا مقصود ہی تمہارا رب
تبارک و تعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔

اول: یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔

دوم: یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو سب میں پہلے

ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لئے کہ بغیر ایمان تعظیم کا رآمد نہیں۔ بہترے نصاریٰ

ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات

کافران لیم میں تصفیہ کر چکے، لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے۔ کچھ مفید نہیں

کہ یہ نظام ہی تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت

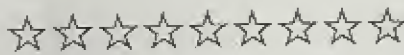
ہوتی تو ضرور ایمان لاتے پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر
بھر عبادت الہی میں گزارے سب بیکار و مردود ہے۔ بہتیرے راہب اور جوگی ترک
دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادت الہی میں کاٹ دیتے ہیں۔ بلکہ ان میں بہت وہ
ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربین لگاتے ہیں مگر ازاں جا کہ محمد رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ..... اصلاً قابل قبول بارگاہ الہی نہیں۔ اللہ
عز و جل ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ
عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّتَّوِّراً۔
جو کچھ اعمال انہوں نے کئے ہم نے
سب برباد کر دیئے۔

(پ ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۲۳)

ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۖ تَصْلِي نَارًا
حَامِيَةً ۖ (پ ۳۰ سورۃ الناصیہ
آیت ۲۴) عمل کریں مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہو
گا یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں
گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)



نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اولاد اور سارے جہان
سے زائد ہونی شرط نجات ہے

تمہارا رب عز و جل فرماتا ہے۔

آیت ۲:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأَخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اَقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَفَرِّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (پ ۱۰)
التوبہ آیت ۲۴)

اے نبی تم فرما دو کہ اے لوگو تمہارے
باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی
تمہاری بیبیاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی
کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان
کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے پسند
کے مکان ان میں سے کوئی چیز بھی اگر
تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی
راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب
ہے تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا
عذاب اتار دے اور اللہ تعالیٰ بے
حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہاں میں کوئی عزیز کوئی معزز، کوئی مال، کوئی
چیز اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہو وہ بارگاہ الہی سے مردود ہے۔ اللہ اسے اپنی طرف
راہ نہ دیگا۔ اے عذاب الہی کے انتظار میں رہنا چاہئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

☆☆☆☆☆☆

تمہارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لَا يُولُ مِنْ أَحَدِكُمْ حَتَّى أَكُونِ
أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری)

تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب
تک میں اس کے ماں باپ اولاد اور
سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے۔
اس نے تو بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو
عزیز رکھے ہرگز مسلمان نہیں۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہاں سے زیادہ محبوب رکھنا مدار
ایمان اور مدار نجات ہو یا نہیں۔ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔ یہاں تک تو سارے کلمہ گو خوشی
خوشی قبول کر لیں گے کہ ہمارے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم
عظمت ہے۔ ہاں ہاں، ماں باپ اولاد اور سارے جہاں سے زیادہ ہمیں حضور کی
محبت ہے بھائیو! خدا ایسا ہی کرے مگر ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا زبانی ادا یعنی دعویٰ، کافی
نہیں بلکہ امتحان ہوگا

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۳

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنَّ
يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا
يُفْقَهُونَ (پ ۲۰ سورۃ العنکبوت آیت ۲۱)

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ
لینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم
ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو
گی۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعاے مسلمانی پر
تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ ہاں ہاں سنتے ہو آزمائے جاؤ گے، آزمائش میں پورے نکلے تو
مسلمان ٹھہرو گے۔ ہر شے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے۔ کہ جو باتیں اس کے
حقیقی واقعی ہونے کو درکار ہیں وہ اس میں ہیں یا نہیں، ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما

چکے کہ ایمان کے حقیقی واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمہارے باپ تمہارے استاد تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے داعی و غیرہ وغیرہ، کسے باشند جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ اصلاً تمہارے دل میں ان کی محبت ان کی عظمت کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر تم اپنے رشتے ناٹے، دوستی الفت کا پاس نہ کرو۔ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں نہ لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کی بنا پر تھا۔ جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا۔ اس کے جے، عمامے پر کیا جائیں، کیا بہترے یہودی جے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے، اس کے نام، علم و ظاہری فضل کو لیکر کیا کریں۔ کیا بہترے پادری، مکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم و فنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنائی چاہی اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برانہ جانا یا اسے برا کہنے پر برامانا یا اسی قدر کہ اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو اللہ اب تمہیں انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے، قرآن

و حدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئی۔ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگوئی و نفرت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو، کیا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہاں سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً شدید نفرت نہ کرے گا۔ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو، اللہ اپنے حال پر رحم کر دے اور اپنے رب کی بات سنو دیکھو وہ تمہیں کیوں کر اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر نیوالا اگرچہ باپ ہو جو اس سے محبت رکھے مسلمان نہیں

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔ آیت ۴:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ يُوَدُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ
وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا
إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور
قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت
آنے پائے جنہوں نے خدا و رسول سے مخالفت
کی۔ چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا
عزیز ہی کیوں نہ ہو، یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں
میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی
روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں باغوں میں
لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں
ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ ان سے راضی اور وہ
اللہ سے راضی یہی لوگ اللہ والے ہیں، مستحق ہے
اللہ والے ہی مزا کو پہنچے۔

(پ ۲۸ سورۃ المجادلہ آیت ۲۲)

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا گیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد (صاف مطلب) یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالصریح (یعنی صاف صاف) ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنا یا یعنی کوئی کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ رہوگا مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کیلئے بس تھا مگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔ اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلا رہا ہے کہ اللہ و رسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا کسی سے علاقہ محبت کا نہ رکھا تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

- (۱) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کر دیگا۔ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا۔
- (۲) اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا۔
- (۳) تمہیں ہیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔
- (۴) تم خدا کے گردہ کہلاؤ گے خدا والے ہو جاؤ گے۔
- (۵) منہ مانگی مرادیں پاؤ گے بلکہ امید و خیال و گمان سے کروڑوں درجے افزوں
- (۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔

(۷) یہ کہ فرماتا ہے میں تم سے راضی تم مجھ سے راضی، بندے کیلئے اس سے زاہد اور کیا نعمت ہوگی۔ کہ اس کا رب اس سے راضی ہو مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر آدمی کروڑوں جانیں رکھتا ہو اور وہ سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کر دے تو واللہ کہ مفت

پائیں۔ پھر زید و عمرو سے علاقہ تعظیم و محبت یک لخت قطع کر دینا کتنی بڑی بات ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ ان بے بہا نعمتوں کا وعدہ فرما رہا ہے اور اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ قرآن عظیم کی عادت کریمہ ہے کہ جو حکم فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں کی بشارت دیتا ہے نہ ماننے والوں پر اپنے عذابوں کا تازیانہ بھی رکھتا ہے کہ جو پست ہمت نعمتوں کے لالچ میں نہ آئیں تو سزا کے ڈر سے راہ پائیں وہ عذاب بھی سن لیجئے۔

جوان کے گستاخ سے اگر چہ اپنا باپ ہو علاقہ رکھے اس پر
قرآن مجید کے سات تازیانے

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۹۳۵ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
أَبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِن
اسْتَحَبَّوْا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ - (پ ۱۰، سورۃ توبہ)

آیت ۲۳

اور فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
عَسَدُوَكُمْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ
(الی قولہ تعالیٰ) تُسَرُّونَ إِلَيْهِمْ

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں
کو دوست نہ بناؤ تم چھپ کر ان سے
دوستی کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں